طلوعِ اسلام

جولائی 1965 JULY-65

بتقریب عید میلادالنبی ؐ

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو

آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست

یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوع اسلام لاہور

بدل اشتراک
پاک و ہند سے
سالانہ ـــــــ دس روپے
غیر ممالک سے
سالانہ ـــــــ ایک پونڈ

قیمت فی پرچہ
پاک و ہند سے
ـــــــ
ایک روپیہ

ٹیلیفون نمبر (۸۰۸۰۰)

خط و کتابت کا پتہ
ناظم ادارہ طلوع اسلام
۲۵/بی گلبرگ - لاہور

جلد ۱۸	جولائی ۱۹۶۵ء	نمبر ۷

فہرست مضامین

لمعات		۲
آہ مرزا علی احمد (مرحوم)		۵
جہاد	محترم پرویز صاحب	۷
جہان نو	//	۲۵
انقلاب عظیم کا داعی اعظمؐ	(صفدر سلیمی)	۴۰
حقائق و عبر	(۱) ہوئے تم دوست جس کے ـــ درایت حدیث	۴۵
روئیداد سب کنونشن کوئٹہ	(محترم عبدالغفور محسن صاحب)	۴۹
کانچ نتیجہ	مرزا محمد خلیل صاحب)	۶۴
سپاس نامہ	(محترم حسن عباس رضوی صاحب)	۶۵
طاہرہ بیٹی کے نام		۷۰
چند تجاویز	(ماسٹر عبدالعزیز صاحب راولپنڈی)	۷۳
نقد و نظر	(اجماع اور باب اجتہاد)	۷۵
بچوں کا صفحہ		۷۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

دنیا میں بعض قومیں ایسی ہیں۔ جو کچھ کام نہیں کرتیں اس لیئے ان کے ہاں کسی تعمیری نتیجہ کے برآمد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بعض قومیں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جو کام تو کرتی ہیں لیکن چونکہ ان کے کام غلط نہج پر ہوتے ہیں۔ اس لیئے وہ بھی کوئی خوش گوار نتیجہ پیدا نہیں کرتے۔ انہی کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ یہ وہ ہیں جن کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ ان کے کام بے نتیجہ رہ جاتے ہیں۔ یعنی ان سے وہ نتائج مرتب نہیں ہوتے۔ جن کے حصول کے لیئے کوشش کی جاتی ہے۔ اور تماشا یہ کہ ھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔ وہ اس فریب میں مبتلا رہتے ہیں۔ کہ وہ بہت بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں۔ قوموں کی یہ حالت ان کے غلط نظام کا نتیجہ ہوتی ہے جس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ قدم چل رہے ہیں۔ لیکن منزل دور سے دور تر ہوتی جارہی ہے۔ ہاتھ اٹھ رہے ہیں۔ لیکن گوہر مقصود تک کسی کی رسائی نہیں ہوتی۔ حبط اعمال کی یہی وہ حسرت انگیز اور المناک حالت ہے جس میں ہم اہل پاکستان گرفتار ہیں۔ حکومت کے کسی شعبہ کو لیجئے۔ اس کی طرف سے شائع ہونے والی رپورٹوں کو دیکھئے۔ تو ایسا معلوم ہوگا کہ قوم کے تمام کام سنور چکے ہیں اور اب کچھ اور کرنے کا رہا ہی نہیں۔ اور کام کی حالت کی طرف دیکھئے۔ تو وہ ہر نئے دن گذشتہ کل سے ایک قدم پیچھے ہوتی ہے۔ پروگرام پر پروگرام بن رہے ہیں۔ عملے پر عملہ ملازم رکھا جارہا ہے۔ لاکھوں کروڑوں روپے صرف ہو رہے ہیں۔ لیکن نتیجہ کچھ برآمد نہیں ہوتا۔ کیسا عبرت انگیز منظر ہے یہ اولئک حبطت اعمالھم کا۔

انہی محکموں میں اوقاف کا محکمہ ہے۔ جس کی توجہ ہم آج ایک اہم اور خصوصی گوشے کی طرف دلانا چاہتے ہیں۔ اوقاف کی دینی حیثیت کیا ہے۔ اسے چھوڑ دیجئے۔ پاکستان میں کروڑوں روپے کی جائیداد پر مشتمل اوقاف موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں خانقاہیں اور مزارات ہیں۔ جن کی مجموعی آمدنی لاکھوں روپوں تک پہنچتی ہے۔ یہ سب روپیہ افراد کے ہاتھوں منتشر رہتا تھا۔ کہ حکومت پاکستان نے کچھ عرصہ پہلے ان اوقاف کو اپنی تحویل میں لے لیا اور ان کے نظم و نسق کے لیئے ایک الگ محکمہ قائم کر دیا۔ یہ اچھا اقدام تھا۔ لیکن اس کے بعد ہوا کیا۔ یہ اس کروڑوں روپے کی آمدنی کا ایک حصہ خود اس محکمہ کی کفالت پر اٹھ جاتا ہے جو اس آمدنی کے نظم و نسق کے لیئے قائم ہوا ہے

باقی ماندہ رقم کا کثیر حصہ ان مزارات اور خانقاہوں کی تعمیر و مرمت اور زیبائش و آرائش کی نذر ہو جاتا ہے۔ جو اس آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں۔ کہ کنوئیں کی مٹی کنوئیں ہی میں لگ جاتی ہے۔ وہی کیفیت یہاں نظر آتی ہے غالب کے الفاظ میں۔

صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ مے کشی   تھے یہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

بعض مقامات پر سننے میں آتا ہے کہ محکمۂ اوقاف کی زیرِ نگرانی کچھ مکتب اور (شاید) دارالعلوم بھی چل رہے ہیں لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ ان پر اس آمدنی کا کس قدر حصہ صرف ہوتا ہے۔ اور پھر ان سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ بھی قوم کے سامنے ہیں۔ اوقاف کی مستقل اور رواں آمدنی بے شمار ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر اس آمدنی کو حسنِ تدبر کے ساتھ ایک پلان کے ماتحت بہبودِ عامہ کے لیے صرف کیا جائے۔ تو اس سے بڑے عمدہ نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔ ہم مثال کے طور پر اس کا ایک گوشہ سامنے لاتے ہیں۔ جو ہمارے نزدیک قوم کی فوری اور خصوصی توجہ کا محتاج ہے۔ اور جسے سنبھال لینے سے یہ محکمہ فی الواقعہ "ثواب" کا مستحق قرار پا سکتا ہے۔

نہایت ذمہ دار حلقوں کی طرف سے متعدد بار اعلان کیا جا چکا ہے۔ کہ پاکستان کو آخرالامر ایک فلاحی مملکت بنایا جائے گا۔ فلاحی مملکت کے معنی یہ ہیں۔ کہ اس میں محتاج لوگوں کو ضروریاتِ زندگی مملکت کی طرف سے بہم پہنچائی جائیں گی۔ پاکستان کے فلاحی مملکت بننے میں تو معلوم کتنا وقت لگے لیکن قوم میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے اور اس میں نت نئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ جو فی الحقیقت اپنی روزمرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم ہے۔ اور جن کے حصول کی ان کے پاس کوئی صورت نہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ اپنی زندگی کے دن کیسے گذار رہے ہیں۔ اور صبح سے شام اور شام سے صبح کیسے کرتے ہیں۔ یہ طبقہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے اپاہج ہو جانے سے محنت کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ اور ان کے پاس کوئی اور ذریعہ آمدنی ہوتا نہیں۔ ان میں اندھوں کی حالت اور بھی قابلِ رحم ہوتی ہے۔ ان میں بڑے باغیرت افراد بھی ہوتے ہیں۔ جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت گوارا نہیں کر سکتے۔ لیکن احتیاج ان بے چاروں کو مار مار کر اس میدان میں لے آتی ہے۔ اور وہ بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں ایک اور مشکل کا سامنا ہے۔ ملک میں پیشہ ور بھک منگوں کے لشکر اس قدر بے پناہ ہو گئے ہیں کہ مستطیع لوگ (جو محتاجوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں) پیشہ ور منگتے اور فی الحقیقت محتاج میں امتیاز نہیں کر سکتے اور بیشتر ایسا ہوتا ہے۔ کہ یا تو ان کی خیرات کا بیشتر حصہ پیشہ ور گداگروں کی جیب میں (اور وہاں سے چرس۔ افیون۔ بھنگ۔ پوست کی دکانوں پر) چلا جاتا ہے۔ اور یا ان کے احساسِ احتیاط سے پیشہ ور گداگروں کے ساتھ حقیقی محتاج بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ان کے ہاں سے محروم نہ بھی جائیں تو بھی انفرادی خیرات کا یہ طریق جن خرابیوں کا موجب اور تذلیلِ شرفِ انسانیت کا باعث ہے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

محکمہ اوقاف ان حقیقی ضرورت مندوں کی پرورش اور نگہداشت کا کام بخوبی سرانجام دے سکتا ہے اس کے لیئے سب سے پہلے اعداد و شمار فراہم کرنے ہوں گے۔ کہ کس علاقے میں کس قدر افراد کام کرنے سے معذور اور محتاج ہیں اس میں چنداں دشواری نہیں ہو سکتی۔ پولیس کا محکمہ اس خدمت کو بطریق احسن سرانجام دے سکتا ہے۔ ان کی تنظیم کا سلسلہ سارے ملک میں اس طرح پھیلا ہوا ہے۔ کہ ایک انچ زمین بھی ان کے احاطہ سے باہر نہیں۔ یہ اپنے اپنے حلقوں سے بآسانی یہ تفصیل مہیا کر سکتے ہیں۔ محکمہ اوقاف یہ تفاصیل حاصل کرے اور اس کے بعد اپنی آمدنی کا جائزہ لے۔ اول تو ہمارا خیال ہے۔ کہ اس کی آمدنی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیئے کافی ہو جائے گی۔ اور اگر اس میں کمی پڑے۔ تو انہیں چاہیئے کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیئے پبلک سے اپیل کرے ہمیں امید ہی نہیں یقین ہے۔ کہ ملک کا مخیر طبقہ اس اپیل پر بطیب خاطر لبیک کہے گا۔ اور محکمہ کی اس کمی کو پورا کر دے گا۔

ہم محکمہ اوقاف کے ارباب بست و کشاد سے بزور درخواست کریں گے۔ کہ وہ ہماری اس تجویز پر سنجیدگی سے غور فرمائیں اگر انہوں نے اس فریضہ کو اپنے ذمہ لے لیا تو وہ یقین مانیں کہ وہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت کریں گے۔ اور جس مقصد کے لیئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا اس کے حصول کے لیئے چھوٹے سے پیمانے پر ہی سہی، ایک مؤثر قدم اٹھائیں گے۔ چہ عجب کہ ان کے اس اقدام کے انسانیت ساز نتائج قوم کو اس منزل کی طرف لے جانے کے لیئے محرک ثابت ہوں۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ جس شخص نے کسی ایک مرنے والے کی بھی جان بچادی۔ یوں سمجھو۔ کہ اس نے پوری نوع انسانی کی جان بچادی۔ ہمیں کیا معلوم کہ ملک میں کتنے بیکس اور بے بس انسان ہیں۔ جو ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے اور سسک سسک کر دم توڑ رہے ہیں ان کی مدد کرنا انہیں زندگی عطا کر دینے کے مترادف ہے۔ ہمیں امید ہے۔ کہ یہ حضرات اس حقیقت سے باخبر ہوں گے۔ کہ لاکھوں مُردوں کی روح کو ثواب پہنچانے اور ہزاروں شکستہ مزاروں کی مرمت کرنے کے مقابلہ میں کسی ایک انسانی جان کا بچا لینا میزان خداوندی میں کہیں زیادہ وزن رکھتا ہے۔ اور پھر اس کے لیئے حکومت کو اپنے پاس سے کچھ بھی خرچ نہیں کرنا پڑے گا۔ اوقاف کی آمدنی جو بہر حال رفاہِ عامہ کے کاموں کے لیئے ہی وقف ہوتی ہے اس مد میں صرف کی جائے گی۔ ہم قارئین طلوع اسلام سے بھی گذارش کریں گے کہ وہ اگر ہماری اس تجویز سے متفق ہوں تو وہ ایک خط کے ذریعے

چیف ایڈمنسٹریٹر، محکمہ اوقاف۔ لاہور

کی توجہ اس طرف منعطف کرائیں۔ اور اس حسن خدمت میں عملاً شریک ہوں۔ اس لیئے کہ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا (۴/۸۵)۔ جو کسی اچھے کام میں دوسرے کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسے اس

سب کے ہیں سے حصّہ ملتا ہے۔

واضح رہے کہ ہم جانتے ہیں کہ قوم کے مفلوک الحال محتاج و نادار، معذور اور لاچار طبقے کی مشکلات کا صحیح اور پائیدار حل ملک کے معاشی نظام کو قرآنی خطوط پر متشکل کرنے میں مضمر ہے۔ لیکن جب تک وہ تبدیلی نہیں ہوتی موجودہ نظم و نسق کے تابع جس قدر مفید کام بھی ہو سکے اس کے لیئے کوشش کرنی چاہیئے قرآن کریم نے انفرادی انفاق کا حکم اسی قسم کے عبوری ادوار کے لیئے دیا تھا۔ سو اس میں ہمیں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے۔ قوم کا مفلوج اور محتاج طبقہ ہماری طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا ہے۔

بزم انجم فسردہ ساماں ہے!

آہ! مرزا علی احمد (مرحوم)

گذشتہ دس بارہ سال سے دعوت قرآنی کے شیدائیوں سے جو انجمن آراستہ ہو رہی تھی اس میں مرزا علی احمد (مرحوم) کو ایک قابل قدر پیکر مہر و وفا کی حیثیت حاصل تھی۔ کسی کو اس کا وہم و گمان تک بھی نہیں تھا کہ شبستان قرآنی کو اس شمع درخشندہ سے اچانک اور اس قدر جلد محروم ہونا پڑے گا۔ ہم مرور ایام کے بہت سے جانگداز حادثوں سے ابھی سنبھلنے نہ پائے تھے اور ان زخموں سے ابھی خون رس رہا تھا کہ موت مرزا صاحب مرحوم کو اس محفل نو سے اچک کر لے گئی۔ مرزا علی احمد — فکر قرآنی کا ایک طائر پیش رس جس نے بہت پہلے اس فکر کو آگے بڑھ کر لبیک کہا اور پھر اسے اس طرح اپنے قلب و نگاہ میں سمو لیا کہ یہ اس کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن گئی۔ وہ اس دعوت قرآنی کے ایک پیکر متحرک تھے۔ اور اسی کے عشق و مستی میں وہ ہر محفل، ہر انجمن، ہر دفتر اور ہر بنگلے میں قرآن کے نقیب بن کر پہنچ جاتے تھے۔ ہر قسم کا لٹریچر ہر وقت ساتھ رکھتے تھے۔ دوسروں سے دوستی اور دشمنی کا معیار یہی دعوت قرار پا گئی۔ خود ایک ذمہ دار افسر ہے لیکن اس دعوت قرآنی کے عشق اور دیوانگی میں بڑے بڑے افسروں سے بگڑ بیٹھے تھے۔ عزیز سے عزیز رشتہ داروں اور دوستوں سے اسی راہ میں تعلقات ختم کر لیئے۔ زندگی کی ہر قیمتی سے قیمتی وابستگی اسی جنون میں بے دھڑک جھٹک کر پھینک دی اور پھر پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔

مولانا محمد علی جوہر نے کہا تھا کہ

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے۔

سچ پوچھئے تو مرزا مرحوم اس شعر کی جیتی جاگتی تفسیر تھے۔ خدا کی مقدس کتاب کے عشق اور جنون کی بنا پر انہوں نے ایک دنیا کی ناراضگی بلکہ مخالفت اور دشمنی مول لے رکھی تھی۔ اور خوش تھے کہ اس آزمائش میں کہیں ناکامی سے سابقہ نہیں پڑا۔

ہمارے یہ عزیز اور مخلص رفیق، ہر بزم قرآنی میں شریک، ہر کنونشن کی رونق اور ہر اجتماع میں نگاہوں کا مرکز ہوا کرتے تھے۔ اپنی وسیع ذمہ داریوں اور خرابی صحت کے باوجود سب کچھ دیوانہ وار چھوڑ کر، جہاں ضرورت ہو، بلا تامل پہنچ جایا کرتے تھے۔

لیکن آہ! قرآنی فکر کا یہ پیکر سیماب پا اب اس دنیا میں پہنچ گیا جو ہمارے تصورات کی سرحد سے بھی ماوراء ہے۔ احباب کے اجتماع اب بھی ہونگے۔ کنونشنوں کا انعقاد اب بھی عمل میں آئے گا لیکن حسرتا کہ اب مرزا علی احمد خاں (مرحوم) کی دلآویز شخصیت کی ایک جھلک دیکھنے کو آنکھیں ترس جائیں گی۔ ان کے شوخ و شنگ قہقہے اب فردوس گوش نہ بن سکیں گے۔

ادارہ طلوع اسلام، محترم پرویز صاحب اور بزم ہائے طلوع اسلام کی معیت میں اس حادثہ غم پر سوگوار ہے۔ مرحوم کی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خدا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے بہرہ ور فرمائے۔ (ادارہ طلوع اسلام)

مرحوم سے میرے گہرے قرآنی رشتہ کی بنا پر اکثر احباب کی طرف سے مجھے تعزیت کے خطوط اور پیغامات پہنچے ہیں۔ میں ان کی اس شرکت غم کے لئے شکر گذار ہوں۔ مرحوم کی موت سے میرے قلب حزیں میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا ناممکن ہے۔ خدا انہیں غریق رحمت کرے۔ جگر فگار

(پرویز)

جہاد

پرویز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جہاد

[یوں تو یہ سوال آج ہر ذہن میں ابھر رہا ہے کہ ہندوستان کی طرف سے جو حالات پیدا کئے جا رہے ہیں ان میں قرآن کریم ہماری کیا راہ نمائی کرتا ہے اور مسلمانانِ پاکستان پر اس سلسلہ میں کیا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ لیکن بزمہائے طلوعِ اسلام کی جو کنونشن حال ہی میں کوئٹہ میں منعقد ہوئی اس کی مجلس استفسارات میں ایک صاحب کی طرف سے یہ سوال پرویز صاحب سے متعین طور پر پوچھا گیا۔ انہوں نے اس کا مختصر جواب وہیں اپنے درسِ قرآن میں دیا۔ اس کے بعد بزمِ لاہور نے اس مقصد کے لئے (لاہور میں) ایک جلسۂ عام کا انتظام کیا جس میں پرویز صاحب نے اس موضوع سے متعلق تفصیل سے خطاب کیا۔ اس کا ماحصل درج ذیل ہے۔ طلوعِ اسلام]

برادرانِ عزیز! مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں جہاد کے عنوان پر قرآن کریم کی روشنی میں آپ احباب سے خطاب کروں۔ جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کے حصول کے لئے مسلسل جدوجہد کرنا۔ ایمان اس مقصد کو متعین کرتا ہے جو مومن کا منتہائے نگاہ قرار پاتا ہے اور عملِ صالح اس جدوجہد کا نام ہے جو اس مقصد کے حصول کے لئے کی جائے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو

جہاد کے معنی

اسلام اور جہاد اور مومن اور مجاہد مرادف الفاظ ہیں۔ اسلام نام ہی یقینِ محکم اور عملِ پیہم کا ہے اور اسی کو جہاد کہا جاتا ہے۔ — یعنی مسلسل حرکت، پیہم سعی و عمل، لگاتار کوشش، مدام جدوجہد — اور اسی کا

دوسرا نام زندگی بھی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں:

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی　　ہے یہی اے بیخبر! رازِ دوامِ زندگی

بلکہ یوں کہ ـــ زندگی جہد است و استحقاق نیست ـــ یعنی زندگی یونہی بیٹھے بٹھائے بلا رحق کے نہیں مل جاتی۔ اسے مسلسل سعی و عمل اور پیہم کد و کاوش سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ یہی وہ بنیادی حقیقت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ .... (۸/۲۴) اے جماعت مومنین! تم خدا اور رسول کی آواز پر لبیک کہو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف دعوت دے جو تمہیں زندگی عطا کرتی ہے۔ اور اس امتیاز کو انسانی زندگی کے ہر گوشے میں اور ہر قدم پہ یہ کہہ کر نمایاں کر دیا کہ لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ ..... وَالْمُجٰهِدُوْنَ۔ جد و جہد کرنے والے اور بیٹھے رہنے والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا (۴/۹۵)۔ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے جد و جہد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پہ بڑی فضیلت حاصل ہوتی ہے اور ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے، جہاد زندگی کے ہر گوشے میں مسلسل جد و جہد کا نام ہے۔ لیکن اس جد و جہد کا آخری گوشہ وہ ہوتا ہے جہاں ایک مردِ مومن، اپنے بلند و بالا مقصد کے حصول کے لئے معرکۂ میدانِ جنگ میں آ جاتا ہے۔ اس مرحلہ کے لئے قرآن کریم نے قتال کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔

قتال

اس نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو جہاد میں قتال بھی شامل ہوتا ہے لیکن قتال، جہاد کے ایک (اور آخری) گوشے کا نام ہے۔ یا یوں کہئے کہ قتال، جہاد کے سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ جس موضوع کے متعلق مجھ سے خطاب کرنے کے لئے کہا گیا ہے اس سے مراد جہاد کا یہی آخری گوشہ، یعنی قتال ہی ہے۔ اس لئے میری معروضات بھی سردست، اسی گوشہ تک محدود رہیں گی۔ اور یہی وقت کا تقاضا بھی ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

امن و سلامتی کا دین

اسلام، امن و سلامتی عطا کرنے والا نظامِ زندگی ہے۔ (خود لفظ اسلام کے مفہوم میں یہ حقیقت داخل ہے)۔ خدا کا ایک نام السلام۔ اور دوسرا المؤمن ہے۔ المؤمن کے معنی ہیں امنِ عالم کا ذمہ دار۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو مومن بھی خدا کی اسی صفت کا آئینہ دار ہے۔ سب سے پہلا عبدِ مومن، خود رسول ہوتا ہے اس لئے حضورؐ کے متعلق فرمایا کہ وہ رسولِ امین تھے۔ (خدا کا ہر رسول امین ہوتا تھا)۔ اس نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو جماعتِ مومنین کا اولین فریضہ دنیا میں امن قائم کرنا اور اسے

برقرار رکھنا ہے۔ اس امت کی بعثت کے متعلق کہا گیا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۳/۱۱۰)
تم وہ بہترین قوم ہو جسے نوعِ انسانی کی بھلائی کے لئے، اٹھا کھڑا کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نوعِ انسان کی بھلائی میں امن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اگر دنیا میں امن ہی قائم نہ رہے تو بھلائی کا امکان کہاں ہوگا؛ امن کی ضد، فسادؔ ہے اور فسادؔ کو خدا نے انسانیت کی عدالت میں سنگین ترین جرم قرار دیا ہے۔ مفسدین اس کے نزدیک بدترین مجرم ہیں۔ فسادؔ میں انسانی جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ اور انسانی جان کی قیمت اس کے نزدیک اتنی بڑی ہے کہ اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ یاد رکھو! جس نے کسی ایک جان کو بھی ناحق تلف کر دیا۔ یوں سمجھو کہ اس نے پوری کی پوری نوعِ انسانی کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی ایک جان کو بھی بچا لیا اس نے گویا پوری نوعِ انسانی کو زندگی عطا کر دی (۵/۳۲)

اس سے ظاہر ہے کہ جماعتِ مومنین خود امن میں رہے گی اور دوسروں کے امن میں کبھی خلل انداز نہیں ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب دنیا کی سرکش اور مستبد قوتیں، امنِ عالم میں خلل انداز ہوں تو اس سلسلہ میں جماعتِ مومنین پر کوئی فریضہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ کیا ایسی صورت میں انہیں خاموشی سے بیٹھے "یادِ اللہ" میں مصروف رہنا چاہئے یا کچھ اور کرنا چاہئے؟ ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ امنِ عالم کا قائم رکھنا خدا کی ذمہ داری ہے۔ لیکن انسانی دنیا میں خدا اپنی ذمہ داریاں خود انسانوں کے ہاتھوں سے پوری کرایا کرتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر اس نے کہا ہے کہ

فساد

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (۲/۲۵۱)

اگر خدا سرکش اور مستبد قوتوں کی روک تھام دوسرے لوگوں کے ہاتھوں نہ کراتا تو دنیا میں فساد برپا ہو جاتا۔

اور فسادؔ کی تشریح دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کر دی کہ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (۲۲/۴۰)

اگر خدا مستبد قوتوں کی روک تھام دوسری جماعتوں سے نہ کراتا رہتا تو دنیا سے مذہبی آزادی ختم ہو جاتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مختلف اہلِ مذاہب کی پرستش گاہیں ــــــ یہودیوں کے صومعے۔ عیسائیوں کے گرجے۔ راہبوں کی کوٹھڑیاں۔ مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کا ذکر اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہتی۔ سب ایک دوسرے کے ہاتھوں منہدم ہو جاتیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کی رو سے مذہبی آزادی کو کس قدر اہمیت حاصل ہے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے خدا کیا انتظام کرتا ہے۔ بہرحال۔ ہم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے' امن عالم برقرار رکھنے کی خدا کی ذمہ داری یوں پوری ہوتی ہے کہ جب کوئی قوم خونشۂ قوت سے بدمست ہو' دوسروں کے امن میں خلل انداز ہو تو اس کی روک تھام دوسری جماعتوں کے ہاتھوں سے کرائی جاتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دوسری جماعت' جماعت مومنین کے سوا اور کون ہو سکتی ہے؛ یہی وہ جماعت ہے جو انسانی دنیا میں خدا کی ذمہ داریوں کے پورے کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی لئے مندرجہ بالا آیت کے آخر میں فرمایا کہ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (۲۲/۴۰) جو خدا کی مدد کرتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے خدا کا قانون اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اسے ایسا کرنا بھی چاہئے۔ اسی لئے اس نے کہا ہے کہ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۳۰/۴۷)، جماعت مومنین کی مدد کرنا ہم پر لازم ہو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ سرکش اور مستبد قوتوں کی روک تھام کس طرح کی جائے گی؟ اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے۔ جب یہ دیکھا جائے کہ ان کی روک تھام کے لئے تمام مصالحانہ تدبیریں ناکام ہو چکی ہیں اور یہ کسی معقول بات کے سننے کے لئے تیار ہی نہیں تو پھر اس کے سوا چارۂ کار ہی کیا رہ جاتا ہے کہ ان کی روک تھام قوت سے کی جائے۔ یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے قرآن کریم نے

شمشیر کا نزول

کہا کہ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ۔ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل اور ضوابط قانون دے کر بھیجا۔ اور میزان عدل بھی۔ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ تاکہ لوگ عدل کو قائم رکھ سکیں۔ اس کے بعد ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ ان کے ساتھ ہم نے فولاد (شمشیر خارہ شگاف) بھی نازل کیا جس میں بڑی سختی ہوتی ہے۔ اور لوگوں کے لئے بے شمار فائدے۔ یہ کیوں نازل کی گئی؟ اسی مقصد کے لئے جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ یعنی خدا کی مدد کرنے کے لئے۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (۵۷/۲۵) تاکہ یہ دیکھ لیا جائے کہ کون خدا اور اس کے رسولوں کی ایسے مراحل میں مدد کرتا ہے جن میں انسان کو ہر قسم کی مشکلات اور مصائب برداشت کرنے ہوتے ہیں اور ان کے نتائج ہنوز نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ اس سے دنیا کے سامنے یہ حقیقت آ جاتی ہے کہ خدا کا

یہ نظام کس قدر غلبہ اور قوت کا مالک ہے۔

آپ نے غور کیا کہ اس مقام پر اسلام مذاہب کی دنیا سے الگ ہو کر کس طرح ایک عملی نظام زندگی (دین) کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ دنیائے مذاہب میں ایسے مقام پر کہا جائیگا کہ جب سرکش قوتیں ظلم و زیادتی پر اتر آئیں تو خدا پرست انسان کو چاہئے کہ وہ ان مظالم کو صبر اور سکون سے برداشت کرے۔ وہ اگر ایک گال پر طمانچہ ماریں تو دوسرا گال ان کے سامنے کر دے۔ لیکن اسلام تو نظام حیات ہے۔ وہ دنیا میں عملاً رہنا اور اس کا امن قائم رکھنا سکھاتا ہے۔ اس کے لئے اس نے کہا کہ ہیں خدا نے دلائل و براہین اور ضوابط قانون نازل کئے ہیں اسی نے ان کے ساتھ شمشیر خارہ شگاف بھی نازل کی ہے۔ اور ان دونوں کے مجموعے سے دین ترتیب پاتا ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

سوچا بھی ہے اے مردِ مسلماں کبھی تو نے — کیا چیز ہے فولاد کی شمشیرِ جگر دار

اس بیت کا یہ مصرعِ اول ہے کہ جس میں — پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار

تلوار اور قرآن

یہ اس بیت کا مصرعِ اول ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا دوسرا مصرع کیا ہے جس کے ساتھ مل کر یہ مصرعِ اول مکمل شعر بنتا ہے؟ اس کے لئے انہوں نے جاوید نامہ میں کہا ہے کہ — مومناں را تیغ با قرآں بس است۔ یعنی قرآن اور تلوار دونوں مل کر نظم زندگی کا مکمل شعر بنتے ہیں۔ اور ان کی کیفیت یہ ہے کہ

این دو قوت حافظِ یک دیگر اند

کائناتِ زندگی را محور اند

تلوار (قوت) قرآن کی حفاظت کرتی ہے کہ سرکش اور بے باک قوتیں، اس ضابطہ زندگی کو عاجز و ناتواں بنا کر دین کو "مذہب" میں تبدیل نہ کر دیں اور اس طرح خودمن مانی کرنے لگ جائیں۔ اور قرآن تلوار کی حفاظت کے لئے ہے کہ اسے صرف اس مقام پر استعمال کیا جائے جہاں قانونِ خداوندی اس کی اجازت دے۔ اپنی ہوسِ اقتدار کی تسکین کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ وہ کونسے مقامات ہیں جہاں قرآن، تلوار کے استعمال کی اجازت دیتا ہے، اس کا ذکر ذرا آگے چل کر آئے گا۔

یہ واضح ہے کہ اسلام ایک نظام زندگی ہے جو ایک آزاد خطۂ زمین ہی میں متشکل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ یہ خطۂ زمین، ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہے، کہ اگر یہی محفوظ نہ رہا تو جماعت مومنین خود ہی امن میں نہیں رہ سکے گی۔ چہ جائیکہ وہ امن عالم کے قیام کی ذمہ داری سے عہدہ

اپنی سرحدوں کی حفاظت

برا ہو سکے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس مملکت کی سرحدوں کو مضبوط رکھا جائے اور ہر خطرہ کے مقابلہ کے لئے پوری پوری تیاری کی جائے اس سلسلہ میں قرآن کریم یہ ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (۸/۶۰)

ان کی روک تھام کے لئے تم اپنے امکان بھر قوت فراہم کرو۔ حفاظت کے لئے اپنی سرحدوں پر فوجی چھاؤنیاں ڈالو۔ تاکہ اس سے تمہارے اور تمہارے نظام خداوندی کے دشمنوں کے دل میں تمہاری دھاک بیٹھی رہے۔ ان دشمنوں کے علاوہ ان دشمنوں کے دلوں میں بھی جنہیں ابھی تم نہیں جانتے لیکن خدا کو ان کا علم ہے۔

اس لئے کہ جب تک کسی ملک کی سرحدیں مضبوط اور مستحکم نہیں ہوں گی وہ ملک محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ اور جب ملک ہی محفوظ نہیں ہوگا تو اس کا نظام کس طرح محفوظ اور برقرار رہ سکے گا؟

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے — اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

پھول کی حفاظت کے لئے کانٹوں کا وجود ضروری ہے۔ لیکن ان کا وجود مقصود بالذات نہیں۔ ان کا مقصد پھول کی حفاظت ہے، نہ کہ خواہ مخواہ راہ چلتوں کے ہاتھوں کو زخمی کرنا۔

یہ تو ہی حفاظتی تدابیر۔ اگر سرکش قوتیں ان تدابیر کے باوجود آگے بڑھتی چلی آئیں تو پھر کیا کیا جائے؟ اس کا جواب ظاہر ہے لیکن اس جواب کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس پس منظر کا سامنے لانا ضروری ہے جس میں یہ جواب دیا گیا تھا۔ نبی اکرمؐ — اور آپ کے رفقاء کی مختصر سی جماعت نے تیرہ برس تک مکہ میں ہر قسم کے مظالم برداشت کئے اور بالآخر اپنا گھر بار۔ خویش و اقارب۔ اسباب و متاع چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔ لیکن ان مخالفین نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ اور ایک لشکر جرار لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ اس

جنگ کی اجازت

مقام پر خدا کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی کہ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا۔ یہ لوگ جن پر اس قدر ظلم و زیادتی کی جا رہی ہے انہیں اجازت دی جاتی ہے کہ یہ بھی میدانِ جنگ میں اتر آئیں۔ اس کے سوا اب کوئی اور چارہ کار ہی نہیں۔ اور چونکہ ظلم اور زیادتی کی روک تھام کے لئے میدان جنگ آئیں گے اس لئے وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ۔ خدا ان کی مدد کرے گا۔ اِلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ

حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ۔ (۲۲/۴۰)۔ یہ وہ مظلوم ہیں جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا، صرف اس جرم کی پاداش ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا نشوونما دینے والا اللہ ہے۔ دوسرے مقام پر ہے۔ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ۔ جو لوگ تم سے جنگ کرنے کے لئے یوں امنڈ آئے ہیں، تم ان سے جنگ کر سکتے ہو۔ لیکن تمہاری یہ جنگ فی سبیل اللہ ہوگی یعنی حق و صداقت کی حفاظت کی خاطر۔ نوع انسانی کی بھلائی کی خاطر۔ امن عالم برقرار رکھنے کی خاطر۔ دنیا سے ظلم و استبداد کو مٹانے کی خاطر۔ اور اس کے بعد ہے۔ وَ لَا تَعْتَدُوْا ۔ (۲/۱۹۰)۔ تم ان کے خلاف جنگ تو کر سکتے ہو لیکن حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ظلم اور زیادتی نہیں کر سکتے۔ جوش انتقام میں حدود فراموش نہیں ہو سکتے۔ "دشمن سے بھی عدل کرنے" کی جو تاکید خدا نے کی ہے تم اس کے خلاف نہیں جا سکتے۔

آپ نے دیکھا کہ جہاں "تلوار" قرآن کی حفاظت کے لئے اٹھ رہی تھی، وہیں "تلوار کی حفاظت کیلئے قرآن" آگے بڑھ آیا اور اسے کہہ دیا کہ تم اس حد تک جا سکتی ہو۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ تلوار کے اس حد تک جانے کا مقصد کیا ہے؟ وہی جسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ یعنی وَ قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ (۸/۳۹)۔ تم ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ فساد مٹ جائے۔ یعنی دین کا معاملہ صرف اللہ کے لئے رہ جائے۔ اس میں کوئی مداخلت نہ کر سکے۔ ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہو۔

یہاں تک معاملہ اپنی حفاظت کے لئے جنگ کرنے کا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ جماعت اس لئے وجود میں لائی گئی تھی کہ یہ خود محفوظ رہے اور بس! کیا ان کا وجود مقصود بالذات تھا یا کسی اور مقصد کے حصول کا ذریعہ؟ اس کا جواب کچھ مشکل نہیں۔ یہ جماعت پیدا اس لئے کی گئی تھی کہ یہ ظلم اور زیادتی کی روک تھام کرے یہ امن عالم کے برقرار رکھنے کی ذمہ دار قرار دی گئی تھی۔ اس لئے انہیں المومنون کہا گیا تھا۔ اگر آپ اس ایک نکتہ پر غور کریں گے تو آپ کو "اسلامی قومیت" اور عام دنیاوی قومیت کا فرق نمایاں طور پر نظر آجائیگا۔

اقوام میں فرق

دنیا کی ہر قوم اپنے لئے جیتی ہے۔ اس کا مقصد زندگی اپنے آپ کو محفوظ اور مستحکم رکھ کر اپنے لئے زیادہ سے زیادہ قوت، دولت، ثروت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ لیکن امت مسلمہ دنیا میں اس لئے زندہ رہتی ہے کہ وہ ہر مظلوم، کمزور، ناتوان کی حفاظت کا موجب بنے۔ اس کا مقصد خود تیر کر ساحل تک پہنچ جانا نہیں ہوتا۔ ڈوبنے والوں کو بچانا بھی ہوتا ہے۔ اسی کا نام "جہاد فی سبیل اللہ"

ہے۔ اسی لئے کہا گیا کہ یہ فی سبیل اللہ جنگ کرتے ہیں اور دوسری قومیں فی سبیل الطاغوت جنگ کرتی ہیں (۴/۷۶)۔ لہٰذا دنیا میں کہیں سے بھی مظلوم مدد کے لئے پکارے ۔۔۔ اور وہ کوئی بھی ہو ۔۔۔ ان کا فریضہ ہے کہ یہ اس کی مدد کے لئے پہنچیں۔ یہ ہے وہ مقام جہاں انہیں جنگ کی "اجازت" نہیں بلکہ جنگ کی تاکید کی جاتی ہے۔ سورہ نساء میں دیکھئے، کیسے بلیغ اور موثر انداز میں اس حقیقت کو ابھار کر سامنے لایا گیا ہے۔ فرمایا۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۔ اے جماعت مومنین! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ

جنگ کی تاکید

کی راہ میں جنگ کے لئے نہیں اٹھتے؟ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۔ تم سنتے نہیں ہو کہ کمزور، ناتواں مظلوم و مقہور، مرد، عورت، بچے کس طرح پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہمارے لئے اس بستی سے نکلنے کا کوئی سامان پیدا کر دے جس کے رہنے والے اسقدر ظلم اور زیادتی پر اتر آئے ہیں۔ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا (۴/۷۵) ہمارا کوئی والی وارث اور حامی و ناصر نہیں۔ تو اپنی طرف سے کسی کو ہمارا والی اور مددگار بنا کر بھیج تاکہ وہ ہمیں اس ظلم و تعدی سے نجات دلائے۔

آپ اس حقیقت پر غور کیجئے کہ یہ مظلوم و ناتواں خدا کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں۔ اور خدا اس جماعت مومنین سے کہہ رہا ہے کہ تم "سنتے" نہیں کہ وہ کس طرح ہمیں مدد کے لئے پکار رہے ہیں! تم ان کی مدد کے لئے کیوں نہیں اٹھتے؟ یہ وہی حقیقت ہے جسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انسانی دنیا میں خدا کی ذمہ داریاں، انسانی ہاتھوں سے پوری ہوتی ہیں۔ جن لوگوں کے ہاتھوں سے یہ خدائی ذمہ داریاں پوری ہوتی ہیں انہیں خدا نے حزب اللہ (خدا کی پارٹی) کہہ کر پکارا ہے۔ اور ان کے مخالفین کو حزب الشیطان (۵۸/۱۹-۲۲) اور اس عظیم حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ جب ان دونوں پارٹیوں کا مقابلہ ہوگا تو خدا کی پارٹی ہمیشہ غالب رہیگی۔

اسلامی جنگیں

اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اسلام میں جنگ مدافعانہ (DEFENSIVE) ہوتی ہے یا جارحانہ (OFFENSIVE) اور مخالف اور موافق گوشوں سے اس سوال کے عجیب و غریب جوابات دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کا جواب بالکل واضح ہے۔ اسلام میں جنگ مدافعانہ ہوتی ہے۔

لیکن اس مدافعت کا تصور، عام دنیاوی تصور سے ذرا مختلف ہے۔ عام دنیاوی تصور یہ ہے کہ جو جنگ اپنی حفاظت کے لئے لڑی جائے اسے مدافعانہ کہا جائے گا۔ لیکن قرآن کی رو سے جو جنگ ظالم کی روک تھام اور مظلوم کی مدافعت کے لئے کی جائے ۔۔ خواہ وہ کہیں ہو

اور کوئی ہو — اسے مدافعانہ کیا جائے گا۔ اس نقطۂ نگاہ سے اسلام کی ہر جنگ مدافعانہ ہوگی۔ یعنی دنیا میں ظلم اور زیادتی کی روک تھام کے لئے۔ اگر جنگ کا مقصد اس کے خلاف کچھ اور ہے تو وہ جنگ جارحانہ ہے اور اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اقبال کے الفاظ ہیں۔

تاریخِ امم کا یہ پیامِ ازلی ہے — صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک
اس سیلِ سبک سیر و زمیں گیر کے آگے — عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک
لادیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر — ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے خدا کی یہ پارٹی (اللہ کا یہ لشکر) ہر وقت مستعد رہتا ہے۔ قرآن کریم میں بتاتا ہے کہ جب کوئی شخص ایمان لا کر مومن بنتا ہے تو یہ ایمان درحقیقت خدا اور بندے کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے، اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ مومن اپنا مال اور اپنی جان خدا کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔ اور اس کے معاوضہ میں خدا اسے جنت عطا کر دیتا ہے — اس دنیا میں بھی جنتی معاشرہ اور اگلی دنیا میں بھی جنتی زندگی — لیکن یہ معاہدہ محض کاغذی کارروائی نہیں ہوتی کہ لفظی طور پر کہہ دیا جائے کہ ہم نے اپنا جان و مال خدا کے ہاتھ بیچ دیا ہے اور اس کے عوض جنت مل جائے۔ یہ معاہدہ عملاً اس طرح پورا ہوتا ہے کہ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ (۹/۱۱۱)۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پھر یا تو فاتح و منصور لوٹتے ہیں اور یا اپنی جان دے دیتے ہیں۔ یوں اس معاہدہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

خدا اور بندے کا معاہدہ

جب ایسا وقت آجائے تو پھر دنیا کا کوئی "نیک کام" درجہ اور فضیلت میں اس (جہاد) کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ "نیک کام" (اعمال صالح) اس امر کے مظہر ہوتے ہیں کہ انسان خدا کی عطا کردہ مستقل اقدار کا تحفظ چاہتا ہے۔ ان اقدار کے تحفظ کا طریق یہ ہے کہ جب ان میں اور طبعی زندگی کے کسی مفاد میں تصادم ہو تو ان اقدار کو محفوظ رکھا جائے اور اس طبعی مفاد کو قربان کر دیا جائے۔ ان طبعی مفاد میں انسان کی اپنی جان کی حفاظت سب سے زیادہ گراں بہا ہے۔ انسان ہر قیمت پر اپنی جان بچانا چاہتا ہے۔ لیکن جب انسان کی جان اور مستقل اقدار میں ٹکراؤ ہو تو اس وقت جان دے کر ان اقدار کی حفاظت کر لینا بہت بڑی قربانی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑا نیک عمل اور کونسا ہو سکتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ

جہاد کی فضیلت

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ - کیا تم سمجھتے ہو کر حاجیوں کے پانی پینے کی سبیلیں لگا دینا اور مسجد حرام کی تعمیر اور آبادکاری - اور تزئین و آرائش کے کام کرنا، اللہ اور آخرت پر ایمان لا کر اس کے راستے میں جہاد کرنے کے برابر ہو سکتے ہیں؟ تم اپنے ذہن سے کچھ ہی فیصلہ کیوں نہ کر لو حقیقت یہ ہے کہ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ - میزان خداوندی میں ان دونوں کا وزن یکساں کبھی نہیں ہو سکتا - ایسا سمجھنا ظلم ہے - یعنی کسی شے کو اس کے اصلی مقام پر نہ رکھنا - اور وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ - خدا کا قانون یہ ہے کہ جو ایسا کرتا ہے اس پر کامیابی کی راہیں کشادہ نہیں ہوتیں - اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ جو لوگ ایمان لانے کے بعد ہجرت کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، اللہ کے نزدیک ان کا درجہ بہت بلند ہے - وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ - یہی وہ لوگ ہیں جنہیں حقیقی معنوں میں کامیاب و کامران کہا جا سکتا ہے - یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَ رِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ - خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ - ($\frac{9}{19-22}$) ان کا نشوونما دینے والا انہیں رحمت و رضوان و جنت کی بشارت دیتا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے - اللہ کے نزدیک ان کا اجر بہت بڑا ہے -

آپ نے غور فرمایا کہ جب جہاد کا وقت آ جائے تو پھر وہ بڑے سے بڑا کام جسے ہم اپنی دانست میں بڑے ہی اجر و ثواب کا موجب سمجھتے ہیں جہاد کے مقابلہ میں کس قدر بے وزن ہو کر رہ جاتا ہے - سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن — ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اس وادی عشق و مستی میں جان دینا تو خیر بعد کی بات ہے، یہاں تو مجاہدین کے قدم قدم پر نیکیاں ہاتھ آتی ہیں - لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَ لَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ - یہ مجاہدین بھوک اور پیاس کی جس شدت کو جھیلتے ہیں، جو تھکان اور مشقت برداشت کرتے ہیں - ان کا ہر وہ قدم جو اس مقام پر پڑتا ہے جہاں سے کہ وہ بڑھتا دشمن کے لئے غیظ و غضب کا موجب ہو - حتیٰ کہ ہر وہ نقصان جو انہیں فریق مخالف کی طرف سے پہنچتا ہے - ان میں سے ایک ایک چیز ان کے لئے عمل صالح بنتی چلی جاتی ہے اس لئے کہ اِنَّ اللّٰہَ

لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ - خدا کا قانون - کیا مجال کسی کا حسن کارانہ عمل ضائع نہیں ہونے دیتا - وَ لَا یُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَۃً صَغِیۡرَۃً وَّ لَا کَبِیۡرَۃً وَّ لَا یَقۡطَعُوۡنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَہُمۡ لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (۹/۱۲۰) اور یہ لوگ اس مقصد کے لئے جو کچھ بھی صرف کرتے ہیں - خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت - یا جو منزل بھی وہ قطع کرتے ہیں - یہ سب ساتھ ساتھ لکھے جاتے ہیں تاکہ خدا کا قانون انہیں ان کے اعمال کا حسین ترین صلہ دے۔

خدا کے دست و بازو

ان مجاہدین کے مدارج بلند کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جو کچھ یہ میدان جنگ میں کرتے ہیں انہیں خدا خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡہُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَہُمۡ - تم انہیں (دشمنوں کو) قتل نہیں کر رہے تھے، خدا قتل کر رہا تھا - وَ مَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی - (۸/۱۷) تو تیر نہیں چلا رہا تھا۔ خدا خود تیر چلا رہا تھا۔ تلواریں تمہاری تھیں، ہاتھ ہمارے تھے۔ تیر تمہارے تھے، کمانیں ہماری تھیں۔ یہ مجاہد ہیں جو خدا کے دست و بازو بنتے ہیں اس لئے کہ یہ خدا کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے سر بکف اور کفن بدوش میدان میں نکل آتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان اس حقیقت کو اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لیتا ہے کہ

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ — غالب و کار آفریں، کار کشا کارساز

اس آویزش حق و باطل میں جو سعادت مند افراد اپنی جان دیدیں ان کے متعلق کہا کہ انہیں مردہ مت

شہید مردہ نہیں

کہو - وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ - جو خدا کی راہ میں جان دیدیں انہیں مردہ مت کہو۔ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّ لٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ (۲/۱۵۴) یہ مردہ نہیں۔ زندہ ہیں۔ لیکن تم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر اس زندگی کی کنہ و حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔ دوسری جگہ ہے وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ (۳/۱۶۹) - خدا کی راہ میں جان دینے والوں کے متعلق خیال تک بھی نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں۔ وہ اپنے نشوونما دینے والے کے ہاں زندہ ہیں وہ انہیں سامان حیات عطا کرتا ہے۔

کسو سے کیا بیان کروں سر مقام مرگ و عشق - عشق ہے مرگ با شرف، مرگ حیات بے شرف

یہی ہیں وہ بلند بخت، سعادت مند افراد جنہیں عرف عام میں شہید کہا جاتا ہے۔ اس لئے

کہ یہ جان دے کر اپنے ایمان کی زندہ شہادت پیش کرتے ہیں۔ یہ نظامِ خداوندی کے مبنی برحق و صداقت ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ یہ اس فریضہ کی ادائیگی کو تکمیل تک پہنچا دیتے ہیں جس کی رو سے امتِ مسلمہ کو شہداء علی الناس کہا گیا ہے۔ یعنی تمام اقوامِ عالم کے اعمال، حسیات کی محاسب و نگران۔ کتنا اہم تھا یہ فریضہ اور کس حسن و خوبی سے انہوں نے اسے ادا کیا۔

اک خونچکاں کفن میں ہزاروں بناؤ ہیں -- پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

یہ تو پھر بھی خود مجاہدین کی شہادت کا تذکرہ ہے۔ قرآن کریم تو مجاہدین کے گھوڑوں کی تگ و تاز کو حق و صداقت کے لئے بطور شہادت پیش کرتا ہے جب کہتا ہے کہ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا۔ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا (۱۰۰/۵-۱)۔ شہادت دیتے ہیں وہ گھوڑے جو ہانپتے ہوئے یورش کرتے ہیں۔ جو پتھروں پر اس شدت سے پاؤں مارتے ہیں کہ ان سے آگ کی چنگاریاں اڑتی ہیں۔ جو صبح سویرے دشمن کی فوجوں پر حملہ کرتے ہیں جن کے سموں کی ٹاپ سے گرد و غبار اڑتا ہے۔ جو مردانہ وار دشمن کی صفوں کے اندر جا گھستے ہیں[1]۔ یہ سب شہادت دیتے ہیں اس حقیقت کی کہ جب انسان وحی کی روشنی میں قدم نہ اٹھائے تو یہ بڑا ہی ناقدر شناس ہو جاتا ہے اور دنیا میں فساد برپا کرتا ہے جسے روکنے کے لئے مجاہدین کے گھوڑوں کو اس طرح یورش کرنی پڑتی ہے۔

پیٹھ موڑنے والا

یہ تو ہیں مجاہدین کے سروشانہ کارنامے۔ اس شہادت گاہِ الفت کے معاملات کس قدر نازک ہیں، اس کا اندازہ قرآن میں بیان کردہ ایک اور حقیقت سے لگائیے ذرا تصور میں لائیے اس منظر کو کہ بدر کا میدان ہے۔ مومنین کی مٹھی بھر جماعت اپنا سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی راہ میں جان دینے کے لئے دشمن کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔ یہ صحابہ کبار کی جماعت ہے۔ یہ ان السابقون الاولون کی جماعت ہے جنہیں خدا نے مومن حقا کہہ کر پکارا ہے۔ یہ وہ ہیں جن کے لئے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ میدانِ جنگ میں یہ دشمن کی صفوں پر برق تپاں بن کر گرنے کے لئے ایسے مضطرب و بیقرار کھڑے ہیں کہ — سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا۔ عین اس وقت ان سے کہا جا رہا ہے کہ یاد رکھو۔ دشمن کو پیٹھ دکھا کر نہ بھاگنا۔ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ

---

[1] ان آیات کا ایک اور مفہوم بھی ہو سکتا ہے جسے میں مفہوم القرآن میں بیان کروں گا۔ (پرویز)

يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ (۸/۱۶)۔ آج کے دن ان میں سے جو شخص دشمن کو پیٹھ دکھائیگا۔ بجز اس کے کہ وہ میدان میں پینترہ بدلنے کے لئے ہو یا اپنی جماعت کے ساتھ ملنے کے لئے، تو یاد رکھو۔ وہ خدا کے غضب کا مستحق ہو جائے گا اور سیدھا جہنم میں چلا جائے گا۔ اور تم جانتے ہو کہ جہنم کس قدر بُرا ٹھکانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس جماعت میں کون ایسا ہو سکتا تھا جو دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلتا۔ یہ تاکید تو میدانِ جہاد کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے تھی، آپ کے سامنے ہے۔

یہ ہے جہاد کی عظمت اور اہمیت قرآن کریم کی رو سے۔ جہاد سے بڑھ کر کوئی اور حسنِ عمل نہیں۔ اور اس سے گریز کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ یہی ماحصل دین ہے۔ یہی مقتضائے ایمان ہے۔ یہی متاعِ حیات ہے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی۔

اب ظاہر ہے کہ اگر اس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی اور کشش زیادہ جاذب ہو جائے تو پھر ایمان باقی کہاں رہ سکتا ہے۔ دیکھئے! قرآن کریم نے اس عظیم حقیقت کو کس قدر واشگاف انداز میں بیان کیا ہے جب کہا ہے کہ قُل۔ اے رسول! ان سے برملا کہدو کہ۔ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ

جہاد کی اہمیت

وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ۔ اگر تمہارے ماں باپ، تمہارے بیٹے بیٹیاں، تمہارے بہن بھائی۔ تمہاری بیویاں۔ تمہارے دیگر افراد خاندان — وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا۔ تمہارا مال و دولت جسے تم محنت و مشقت سے کماتے ہو۔ وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا۔ یا تمہارا کاروبار جس کے مندا پڑ جانے سے تم اسقدر خائف رہتے ہو۔ وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ۔ یا تمہارے مکانات اور محلات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں۔ یاد رکھو! ان میں سے کوئی ایک چیز اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ تمہارے نزدیک خدا اور اس کے رسول (نظامِ خداوندی) اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہو گئی۔ فَتَرَبَّصُوْا۔ تو تم انتظار کرو۔ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ تا آنکہ خدا کا فیصلہ تمہارے خلاف آجائے۔ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (۹/۲۴)۔ ایسی قوم جو سیدھی راہ کو چھوڑ کر غلط راہوں پر چل نکلے اسے کامیابی کی راہ کس طرح دکھائی دے سکتی ہے۔

یہ ہے برادرانِ عزیز! جہاد سے گریز کرنے والی قوم کا مآل اور انجام!

جنگ کے سلسلہ میں قرآن کریم کس قسم کے احکام اور ہدایات دیتا ہے — معاہدات کا احترام کسقدر ضروری ہے۔ دشمن کے ساتھ صلح کرنے کی کس قدر تاکید ہے۔ دشمن کے معاملہ میں بھی عدل اور انصاف کے اصولوں پر کاربند رہنا کس قدر ضروری ہے۔ جو تمہاری پناہ میں آجائے اسے کس طرح اپنی حفاظت میں اس کے مامن تک پہنچانا چاہیئے۔ جنگ کے قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بطور احسان چھوڑ دینا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ — یہ موضوع الگ ہے جس کی طرف میں اسوقت نہیں جانا چاہتا۔ اسوقت صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن کریم کن حالات میں جنگ کی اجازت دیتا ہے اور کن حالات میں اس کی تاکید کرتا ہے۔ جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے:

(۱) اس خطۂ زمین کی حفاظت کے لئے جنگ کی اجازت ہے جو نظامِ خداوندی کی عملی تشکیل کا ذریعہ ہو۔ اور

(۲) ظلم و استبداد کی روک تھام کے لئے جنگ کی تاکید ہے۔ وہ خواہ کہیں بھی ہو۔ مظلوم کی آواز پر لبیک کہنا مسلمان کا اولین فریضہ ہے۔

موجودہ حالات

ان حقائق کی روشنی میں اب ان حالات پر غور کیجئے جو ہندوستان کی طرف سے گذشتہ سترہ اٹھارہ برس میں مسلسل اور پیہم پیدا کئے جا رہے تھے اور جو اب اپنی انتہا تک پہنچ چکے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ پاکستان میں ہنوز قرآنی نظام قائم نہیں ہوا لیکن اس خطۂ زمین کو حاصل ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ یہاں نظامِ خداوندی قائم کیا جائے۔ یہی پاکستان کے مطالبہ کی بنیاد تھی اور اسی بنیاد پر ہمارے دعوے کی عمارت استوار ہوئی تھی۔ اسی کیلئے ہم نے اسے حاصل کیا تھا اور یہی ہمارا منتہا و مقصود ہے۔ جس طرح ایک مقصد اور منتہیٰ کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح اس مقصد کے حصول کے ذرائع کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ ایک خطۂ زمین ہے جسے "مسجد" بنانے کے لئے حاصل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ خطۂ زمین ہی محفوظ نہ رہے تو "مسجد" کہاں تعمیر ہو سکے گی۔ سرزمین پاکستان کی اس وقت مثال وہی ہے جو ہجرتِ نبویؐ کے فوری بعد سرزمین مدینہ کی تھی کہ وہاں ہنوز نظامِ خداوندی متشکل نہیں ہوا تھا لیکن وہ اس نظام کی تشکیل کا ذریعہ بننے والی تھی۔ لہٰذا برادرانِ عزیز! میری بصیرتِ قرآن کے مطابق سرزمین پاکستان کی حفاظت ہمارے لئے جزوِ ایمان ہے۔ ہندو نے پہلے دن سے نظریۂ پاکستان کی مخالفت کی۔ اور یہ اس کی مخالفت کے علی الرغم وجود میں آگیا۔ وجود میں تو یہ آگیا لیکن ہندو نے اسے دل سے کبھی قبول

نہیں کیا۔ اس کی شدید آرزو یہ ہے (خدانخواستہ) اس کے جداگانہ "آزاد" وجود کو ختم کرکے اسے بھارت کا جزو بنا لیا جائے۔ اس کے لئے وہ مسلسل مصروفِ کوشش ہے اور اب اس مسئلہ کو اس نے انتہا تک پہنچا دیا ہے۔

جہاں تک ظلم اور زیادتی کا تعلق ہے، گزشتہ اٹھارہ برس میں، ہندوستان نے، مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا — صرف ان کے اس جرم کی پاداش میں کہ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ — وہ خدا کو اپنا رب کیوں مانتے ہیں۔ وہ مظلوم و ناتواں، پکار پکار کر خدا سے کہہ رہے ہیں کہ ہماری مدد کے لئے کسی کو بھیج۔ ان حالات میں مسلمانوں پر فریضہ عائد ہو جاتا ہے کہ ہندوؤں کے اس ظلم و ستم کی روک تھام کریں۔

جہاد فی سبیل اللہ

ہندوستان سے جنگ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ، ہماری حکومت کا ہے۔ وہ حالات کے مطابق جو فیصلہ بھی کرے وہی فیصلہ درست ہوگا۔ لیکن اگر وہ جنگ کرنے کا فیصلہ کرے، تو یہ جنگ یقیناً جہاد فی سبیل اللہ ہوگی۔ اور اس میں جان دینا شہادت۔ موجودہ عسکری نظام کے مطابق میدانِ جنگ میں فوجیں ہی جاتی ہیں۔ ہر ایک نہیں جا سکتا۔ لیکن شہری آبادی بھی اس جہاد میں برابر کا حصہ لے سکتی ہے۔ قرآن کریم نے مال اور جان دونوں سے جہاد کا حکم دیا ہے۔ اگر ہمارے سپاہی (یا قومی رضاکار) جان سے جہاد کرنے کے لئے نکلتے ہیں تو شہری آبادی کے لئے مال سے جہاد کرنا لازم آجاتا ہے۔ علاوہ ازیں، فوج کی کامیابی کا انحصار خود شہری آبادی کے (MORALE) پر ہوتا ہے۔ شہری آبادی جس قدر ہمت اور استقلال کا ثبوت دے گی اور جس قدر امن و سکون سے رہے گی، فوج کے لئے کامیابی حاصل کرنا اتنا ہی آسان ہو جائے گا۔ ملک کے لئے دشمن کا حملہ اس قدر پریشان کن نہیں ہوتا جس قدر پریشان کن اور مصائب آفریں، شہری آبادی کا انتشار اور گھبراہٹ ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے محمد رسول اللہ والذین معہ کی جو دو خصوصیات بیان کی ہیں کہ — اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ وَ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ — تو ان کا مظاہرہ زمانۂ امن کے مقابلہ میں زمانۂ جنگ میں اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ فوج اگر اشداء علی الکفار کا مظاہرہ کرتی ہے تو شہری آبادی کو رحماء بَیْنَھُمْ کی مظہر ہونا چاہئے۔ یعنی تمام باہمی اختلافات اور نزاعات کو یکسر بالائے طاق رکھ کر کامل محبت اور یکجہتی سے پرسکون رہنا اور نہایت ہمت اور استقلال سے تمام مشکلات کا مقابلہ کرنا۔ شہری آبادی اس جہاد میں اس انداز سے حصہ لے سکتی ہے۔ انہی کے لئے کہا گیا ہے کہ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۸/۴۶)

باہمی جھگڑے مت پیدا کرو۔ ایسا کرو گے تو تم بزدل بن جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ لہٰذا تم استقامت اور ثبات سے رہو۔ یاد رکھو۔ خدا ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

فوج کے پاس اگر سامانِ حرب و ضرب کی کمی بھی ہو تو ان کی قوتِ ایمانی اس کمی کو پورا کر دیتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے جماعتِ مومنین سے کہا ہے کہ ان میں کا ایک ایک مجاہد دشمن کے دس دس سپاہیوں پر غالب آ سکتا ہے (۸/۶۵) — اور اپنے سے دگنی فوج پر تو بہرحال غالب رہیں گے (۸/۶۶)۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ — مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

مومن کی قوت

یعنی زندگی کے بلند و بالا مقاصد پر یقین نہ رکھنے والے کی قوت اس کے سامان و اسباب تک محدود ہوتی ہے۔ لیکن ان مقاصد و اقدار پر ایمان رکھنے والے کے پاس ایک اور قوت بھی ہوتی ہے۔ یعنی صداقت پر مر مٹنے کی شدتِ آرزو جسے قوتِ ایمانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ قوت بے پناہ ہوتی ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا — نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہی قوتِ ایمان، غیر محارب (شہری) آبادی کے دل میں وہ کوہ آسا ہمت پیدا کر سکتی ہے جس سے ہر مشکل کا مقابلہ نہایت ثبات و استقامت سے ہو جاتا ہے۔

یہ ہے وہ فریضہ جو موجودہ حالات میں ہم (اہل پاکستان) پر عائد ہوتا ہے۔ اگر ہم نے اس فریضہ کی ادائیگی میں ذرا سی بھی کوتاہی کی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اسے بھی قرآن کریم کے الفاظ میں سن لیجئے۔ وہ کہتا ہے کہ

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۸/۲۵)

← اس تباہی سے بچو کہ جب وہ آ جائے تو پھر انہی تک محدود نہیں رہا کرتی جنہوں نے ظلم اور زیادتی کی ہو۔ اس کے شعلے سارے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتے ہیں اور پھر حالت یہ ہو جاتی ہے کہ

نہ کہ را منزلت باشد نہ مہ را

اور یہ خدا کے اس قانونِ مکافات کی رو سے ہوتا ہے، جس کا تعلق انسانوں کی ہیئت اجتماعیہ سے ہے۔ اور یہ قانون اپنی گرفت کے لحاظ سے بڑا شدید واقع ہوا ہے۔

حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

یہ ہے برادران عزیز! فطرت کا اٹل اصول۔ اس کی رو سے زندہ وہی رہ سکتا ہے جو مرنا جانتا ہے۔ اس کے بغیر انسان کا ہر دعوےٰ باطل اور ہر اعتقاد جھوٹا ہوتا ہے

بے جرأت رندانہ ہر عشق ہے روباہی
بازو ہے قوی جس کا۔ وہ عشق یداللہی

مجھے یقین ہے کہ وقت آنے پر ہم اس امتحان میں پورے اتریں گے۔ خوش بخت ہیں وہ افراد جنہیں ایسے مواقع میسر آجائیں جن میں جنت انہیں پکار پکار کر بلا رہی ہو اور خدا کی رحمت ان کی طرف ہجوم کرکے آ رہی ہو۔

عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

ماہنامہ **طلوعِ اسلام** لاہور

- جس نے تحریک پاکستان کی کامیابی کے لئے کئی سال تک مسلسل جہاد کا بہترین حق ادا کیا۔
- جو حصول پاکستان کے بعد بھی گذشتہ سترہ برس سے اس مقصد عظیم کے لئے وقف جہاد ہے کہ اس خطۂ پاک میں قرآن کے نظام ربوبیت کی صبح بہار طلوع ہو۔

طلوعِ اسلام کا مطالعہ

زندگی کے الجھے ہوئے مسائل کے بارے میں آپ کو قرآنی فکر کی روشنی عطا کریگا آپ اس قابل ہو سکیں گے کہ اسکی پیش کردہ فکر و بصیرت کی روشنی میں دین خداوندی کے منشاء و مقصود کو بخوبی سمجھ سکیں۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

۲۵۔ بی۔ گلبرگ ۲ لاہور

جہانِ نو

"معراجِ انسانیت" پرویز صاحب کا وہ فکری اور تصنیفی شاہکار ہے جس کی نظیر ہمارے لٹریچر میں نہیں ملتی۔ اس میں سیرتِ نبی اکرمؐ کو قرآنِ کریم کے آئینے میں پیش کیا گیا ہے اور اس کے ہر گوشے کی تبیین و تشریح کتبِ احادیث و سیر کے ان واقعات سے کی گئی ہے جو قرآنی تذکرے کے مطابق ہیں اس طرح یہ کتاب اپنے انداز کی آپ مثال ہے۔ یہ کتاب بڑے سائز کے قریب نو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن کچھ عرصے سے اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا ہے اور جدید ایڈیشن ہنوز شائع نہیں ہوا۔

ہم عیدِ میلاد النبیؐ کی تقریبِ سعید پر اس کتاب کا آخری باب پیشِ ناظرین کرتے ہیں اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ کی عدیم النظیر تعلیم و عمل سے جو انقلابِ عظیم برپا ہوا اس کا اعتراف غیر مسلم مؤرخین اور محققین نے کن الفاظ میں کیا ہے۔ واضح رہے کہ معراج انسانیت میں غیر مسلموں کے یہ خیالات، اس انقلاب کی صداقت کیلئے بطور سند پیش کئے گئے۔ حضورؐ کی تعلیم اور اس کے انسانیت ساز نتائج، کسی کی تائید کے محتاج نہیں اس پر تو خدا اور اس کے فرشتے تبریک و تہنیت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ انقلاب اس قدر اثر انگیز اور محیر العقول تھا کہ اپنے تو ایک طرف بیگانے بھی اس کی عظمت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔

ہم اس نذرِ عقیدت کو بہ ہزار تعظیم و تکریم بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ (طلوعِ اسلام)

نوعِ انسانی ایک خشک نیستاں کی طرح ایک شرارہ کے انتظار میں تھی وہ بجلی کا شرارہ اس بطلِ جلیل کے پیکر میں آسمان سے آیا اور تمام نوعِ انسانی کو شعلہ صفت بنا گیا۔

(کارلائل)

کسی انسان کی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کے ناپنے کا پیمانہ یہ ہے کہ جب وہ دنیا میں آیا تو اس نے دنیا کو

کیسے پایا اور جب وہ یہاں سے گیا تو دنیا کو کس حالت میں چھوڑا۔ اگر اس نے دنیا کو حق و صداقت کے لئے ناسازگار اور عدل و انصاف کے لئے نامساعد پایا تو دیکھنا یہ ہوگا کہ اس نے اس ناسازگاری کو سازگاری اور نامساعدت کو مساعدت میں بدلنے کیلئے کیا کچھ کیا اور اس کی تگ و تاز اور سعی و کاوش کا نتیجہ کیا نکلا؟

مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار　　با مزاجِ او بسازد روزگار
گر نہ سازد با مزاجِ او جہاں　　می شود جنگ آزما با آسماں

بر کند بنیادِ موجودات را　　می دہد ترکیبِ نو ذرات را
می کند از قوتِ خود آشکار　　روزگارِ نو کہ باشد سازگار

جس حیاتِ طیبہ کے تذکارِ جلیلہ و کوائفِ جمیلہ ہمارے لئے وجہِ شادابیٔ قلب و نگاہ اور باعثِ افزائشِ ایمان و بصیرت ہوتے ہیں۔ اس نے جب اس مسکنِ انسانی میں چشمِ نبوت وا کی تو اسے جس عالم میں پایا اس کا اجمالی تذکرہ کتاب

ظہورِ نبوت کے وقت دنیا کی حالت

زیرِ نظر کے ابتدائی عنوان (ظہر الفساد) میں آچکا ہے۔ اس عنوان کو دہرانا تحصیلِ حاصل ہوگا۔ البتہ تجدیدِ یادداشت کے لئے اس کے ایک اقتباس کے تکرار کو ضروری سمجھا گیا ہے۔ جس میں عصرِ حاضر کے تاریخِ تہذیب کے مورخ نے بتایا ہے کہ اس وقت دنیائے تہذیب و تمدن کی کیا حالت ہو چکی تھی۔ وہ لکھتا ہے۔

> اس وقت تہذیب کا وہ قصرِ مشید جس کی تعمیر میں چار ہزار سال صرف ہوئے تھے منہدم ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا اور نوعِ انسانی پھر اسی بربریت کی طرف لوٹ جانے والی تھی۔ جہاں ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا اور آئین و ضوابط کو کوئی جانتا تک نہ تھا۔ قدیم قبائلی آئین اپنی قوت و احترام کھو چکے تھے۔ اس لئے اب ملوکیت کے پرانے طریق و انداز کا سکہ دنیا میں نہیں چل سکتا تھا۔ عیسائیت نے جن قواعد و ضوابط کو رائج کیا تھا وہ نظم و ضبط اور وحدت پیدا کرنے کی بجائے تشتت و افتراق اور بربادی و ہلاکت کا موجب بن رہے تھے۔ تو ٹھیک وقت وہ آپہنچا تھا جب کہ ہر طرف فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔ تہذیب کا وہ بلند و بالا درخت جس کی سرسبز و شاداب شاخیں کبھی ساری دنیا پر سایہ فگن تھیں اور آرٹ، سائنس، لٹریچر کے پھلوں سے لدی ہوئی تھیں، اب ڈگمگا رہا تھا۔ عقیدت و احترام کی زندگی بخش نمی اس کے تنے سے خشک ہو چکی تھی، اور وہ جڑ تک سے بوسیدہ اور کھوکھلا ہو چکا تھا۔ جنگ و جدال کے طوفان نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ جو صرف پرانی رسوم کے بندھن سے یک جا ٹھہرے تھے اور جن کے متعلق ہر وقت خطرہ تھا کہ اب گرے یا اب۔ کیا ان حالات میں، کوئی ایسا جذباتی کلچر پیدا کیا جا سکتا

> تھا جو نوعِ انسانی کو ایک مرتبہ پھر ایک نقطہ پر جمع کر دے اور اس طرح تہذیب کو مٹنے سے بچالے! اس کلچر کو بالکل نئے انداز کا ہونا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ پرانی رسومات و آئین سب مردہ ہو چکے تھے اور ان ہی جیسے اور قوانین مرتب کرنا صدیوں کا کام تھا"

یہ تھی وہ حالت جس میں اس داعیٔ انقلاب نے دنیا کو پایا جو دنیا کو ایک "طرح نو" سے آشنا کرنے کے لئے آیا تھا۔ کیا اس نے دنیائے تہذیب و تمدن کے تقاضوں کو پورا کیا جن کی طرف اوپر کے اقتباس میں اشارہ کیا گیا ہے؟ اس کا جواب ہم سے نہیں خود اس اقتباس کے مصنف کی زبان سے سنئیے۔ جو کہتا ہے کہ:-

انقلاب کے نتائج

> یہ امر موجبِ حیرت و استعجاب ہے کہ اس قسم کا کلچر عرب کی سرزمین سے پیدا ہوا اور اس وقت پیدا ہوا جب کہ اس کی اشد ضرورت تھی۔

یہ حیرت انگیز کلچر اسی ذاتِ گرامی کی عدیم النظیر تعلیم اور فقید المثال عمل کا درخشندہ نتیجہ تھا جس کی تعلیم و عمل نے دنیا کو بتا دیا کہ ایک انسان دنیا میں کیا کچھ کر سکتا تھا۔

> ہم میں سے ان لوگوں کے لئے جن کے نزدیک انسان ہی سب کچھ ہے ماحول کچھ نہیں۔ محمدؐ اس حقیقت کی عظیم الشان مثال ہے کہ ایک انسان کیا کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن وہ لوگ بھی جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تاریخ کے انقلابات کسی ایک فرد کی کوششوں سے کہیں زیادہ ماحول کی خصوصیات اور قلب انسان کی استعداد قبولیت کے رہینِ منت ہیں، اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اگر تاریخ میں ایسا انقلاب آنا ہی تھا (جو عرب میں آیا) تو محمدؐ کے بغیر یہ انقلاب ایک غیر متعین عرصہ تک معرض التواء میں رہتا۔

Pringle Kennedy -in- Arabian Society at the time of Mohamadd. (P.21)

یہ انقلاب کیا تھا؟

عربوں کے لئے یہ انقلاب ایک نئی زندگی تھی جو انہیں تاریکی سے نور کی طرف لے آئی تھی۔ عرب اس کے ذریعہ پہلی دفعہ زندہ ہوا۔ ایک ایسی قوم جو ابتدائے آفرینش سے گمنامی کے عالم میں ریوڑ چراتی پھرتی تھی ان کی طرف ایک رسول آیا جو اپنے ساتھ ایک ایسا پیغام لایا جس پر وہ قوم ایمان لے آئی۔ وہ دیکھو! وہی گمنام چرواہے دنیا کی ممتاز ترین قوم بن گئے۔ وہ حقیر قوم ایک عظیم الشان ملت میں تبدیل ہو گئی۔ ایک صدی کے اندر اندر عرب ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی تک چھا گئے۔ اس کے بعد سینکڑوں برس بیت چکے ہیں کہ اسی شان و شوکت اور درخشندگی و تابندگی سے کرۂ ارض کے ایک عظیم حصہ پر مسلط ہیں۔ یہ سب ایمان

کی حرارت سے بھرا) ایمان بڑی چیز ہے۔ ایمان سے زندگی ملتی ہے۔ جونہی کسی قوم میں ایمان پیدا ہوا اس قوم کی تاریخ، اعمال میں نتائج اور روح میں بالیدگی پیدا کرنے والی بن گئی۔

وہ عرب ——— یہ محمدؐ ——— اور ایک سو سال کا عرصہ

کیا یہ انقلاب ایسا ہی نہیں جیسے ریت کے کسی سیاہ گمنام ٹیلے پر آسمان سے بجلی کی ایک لہر آ کر گرے اور وہ ریت کا تودہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک آتش گیر مادہ میں تبدیل ہو کر اس طرح بھک سے اڑ جائے کہ دہلی سے غرناطہ تک اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آ جائے؟

نوعِ انسانی خشک نیستاں کی طرح ایک شرارہ کے انتظار میں تھی وہ بجلی کا شرارہ امرِ الٰہی جلیل کی صورت میں آسمان سے آیا اور تمام نوعِ انسانی کو شعلہ صفت بنا گیا۔

Thomas Carlyle - in . Heroes and Hero Worship (P.66)

اس نے کیا کیا؟

محمدؐ کے اثر سے عربوں کی قبائلی عصبیت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ ایک ایسے رشتہ میں منسلک ہو گئے جس سے وہ ناآشنا تھے۔ یہ رشتہ توحید کا عقیدہ تھا جو انہیں ایک مرکز پہ لے آیا اور ان کی فتوحات کو ان کے لئے ممکن بنا دیا۔

The Eclipse of Christianity in Islam, by L.E.Browne.
(P.24-28)

تاریخ عرب کے مصنف (HITTI) کے الفاظ میں۔

یہ عرب کی تاریخ میں پہلی کوشش تھی کہ انہیں خون کے بجائے مذہب کے نام پر ایک مرکز پہ جمع کیا جا رہا تھا۔ اللہ اس سلطنت کا حاکمِ اعلیٰ تھا۔ اس کا رسول اپنی زندگی بھر اس کا نائب اور ملک کا فرماں روا۔ بنا بریں محمدؐ اپنے روحانی فرائض کے علاوہ ایسے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے جیسے سلطنتوں کے حکام۔ اس کی ملت میں سب کے سب قبائلی رشتوں اور پرانے علاقات سے یکسر منقطع ہو کر اصولاً بھائی بھائی بن چکے تھے۔

Hitti - History of the Arabs. (P.120)

اور (Rev. Stephenson) کے الفاظ میں۔

سب سے پہلے اس حقیقت کا بلا تکلف اعتراف کر لینا چاہئے کہ اپنی قوم کے لئے محمدؐ کی ذات بڑے احسانات کی موجب تھی۔ وہ اس ملک میں پیدا ہوئے جہاں سیاسی تنظیم، معقول عقائد اور پاکیزہ اخلاق سے کوئی شناسا نہ تھا۔ انہوں نے یہ تینوں چیزیں پیدا کر دیں۔ انہوں نے اپنی پختہ فطانت سے بیک وقت سیاسی عادات مذہبی عقائد اور ضابطۂ اخلاق سب کی اصلاح کر دی۔ انہوں نے مختلف قبائل کی جگہ انہیں ایک قوم بنا دیا۔ مختلف دیوتاؤں اور آقاؤں کی جگہ ایک خدا پر ایمان کی تعلیم دی اور بڑی بڑی معیوب اور قبیح رسومات کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیا۔ جوں جوں اسلام اپنے قدم عرب کی سرزمین سے باہر رکھتا گیا نئی وحشی قومیں جنہیں اس نے اپنے آغوش میں لیا لعلِ اسلام کی وارث بنتی چلی گئیں۔۔۔۔۔ اسلام نوع انسانی کے لئے برکات کا موجب، تاریکی سے نور اور شیطان سے خدا کی طرف رجعت کا باعث ہے۔

نیز باسورتھ سمتھ کے الفاظ میں:۔

ایک ایسی خوش بختی کی بنا پر جو تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ محمدؐ تین عناصر کا بانی ہے۔ ایک قوم، ایک سلطنت اور ایک مذہب، تینوں کا بانی خود ان پڑھ تھا۔ لیکن اس نے دنیا کو ایک ایسی کتاب دی جو شعر و نغمہ بھی اپنے اندر رکھتی ہے اور آئین و قانون بھی۔ محمدؐ کا یہی معجزہ ہے مستقل معجزہ۔ فی الحقیقت معجزہ

Rev. Bosworth Smith

ہر قسم کی توہم پرستی کا استیصال۔

ہمیں بلا تامل اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ تعلیم نبویؐ نے ان تاریک توہمات کو ہمیشہ کیلئے جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکال دیا جو صدیوں سے اس ملک پر چھا رہے تھے۔ بت پرستی خارج البلد ہو گئی توحید اور خدا کی لامحدود رحمت کا تصور محمدؐ کے متبعین کے دلوں کی گہرائی اور زندگی کے اعماق میں جاگزیں ہو گیا۔۔۔۔ معاشرتی اصلاحات کی بھی کوئی کمی نہ رہی۔ ایمان کے دائرے میں برادرانہ محبت، یتیموں کی پرورش، غلاموں سے احسان، حرمتِ خمر، سب جوہر نمودار ہو گئے۔ امتناع شراب میں جو کامیابی اسلام نے حاصل کی کسی اور مذہب کو نہیں ہوئی۔

Sir William Muir - Life of Mohammed

ہر عقیدۂ باطل کی اصلاح

اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ محمد کے مذہب نے ہر اس عقیدہ کی اصلاح کر دی جو اس سے قبل وہاں رائج تھا۔ اس نے متفارق و متخالف قبائل کو باہم ملا دیا اور اس طرح اس قوم کو دنیا کی بڑی بڑی قوتوں سے بھی آگے کھڑا کر دیا۔

Dr. Marcus Dods -in- Mohammad, Budha and Christ

محض "مذہبی ریفارمر" ہی نہیں۔ ایک عدیم النظیر طرز حکومت کے طرح انداز بھی۔

محمد ایک مذہب کے بانی نہ تھے ایک سلطنت کے بھی تھے۔ لیکن ایک ایسی سلطنت کے جو شروع ہی سے دینی سلطنت تھی۔ یعنی جس میں دنیا اور آخرت دونوں کا امتزاج تھا۔ اسلام کے پیش نظر یہ تھا کہ تمام انسانوں کے امتیازات مٹا کر انہیں ایک جماعت بنا دیا جائے۔ جس کا مسلک قانون خداوندی اور اس کے رسول کی اطاعت ہو۔ اور اس طرح حق کو ساری دنیا پر پھیلا دیا جائے۔ محمدؐ دنیا میں خدا کی مرضی کی تنفیذ و اشاعت کے لئے سب سے بڑے ایگزیکٹو آفیسر تھے انہوں نے اپنے پیشرو انبیاء کی طرح محسوس کر لیا تھا کہ تمام ملت اسلامیہ ایک دن ایک ملت واحدہ بن کر رہے گی ایک خدا کے تحت ایک حکومت للہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔

Spalding -in- Civilisation in East and West. (P.164

اور (GEORGES RIVOIRE) کے الفاظ ہیں:۔

اسلام اس دنیا کے لئے پیغام نجات و سعادت تھا جو جسمانی اور ذہنی مصائب میں مبتلا تھی اور دوسروں کی غلامی نے جسے چکنا چور کر رکھا تھا۔ اس نے عدل و انصاف کے عصر جدید کا اعلان کیا۔ جس عالمگیر حکومت کی طرح حکومت اسلام نے رکھی اس میں نہ نسلی امتیاز کو کوئی دخل تھا نہ معاشرتی حدود کو۔ اس کا ایک ہی قانون تھا۔ سب کے لئے یکساں عدل اور محبت۔

اس حقیقت کبریٰ کو جتنی مرتبہ دہرایئے کم ہے کہ محمدؐ نہ صرف ایک ایسے عظیم القدر مذہب کے پیغمبر تھے جنہوں نے اس دنیا کی تسکین کا سامان فراہم کیا جو خالص توحید کے لئے پیاسی تھی بلکہ وہ ایک ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے معلن تھے جس کی نظیر تاریخ نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

Visages De L'Islam

ایک ایسی حکومت جس میں جبر نے اختیار پیدا ہوا اور جس کی مثال دنیا نے دیکھی ہو۔

انسان کے تمام فرائض حیات کو ایک لفظ میں سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے اور وہ لفظ ہے اسلام۔ یعنی اپنے جذبات اور ارادوں کو مشیتِ ایزدی کے تابع رکھنا۔ یہ تسلیم و رضا اس اطاعت و انقیاد سے یکسر مختلف ہے جو ادنی ریاست میں حکومت کی طرف سے مطلوب ہوتی ہے۔ کسی ہستی کے سامنے جھکنے اور خدا کے سامنے جھکنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جو خدا کے سامنے جھک کر مسلم ہو جاتا ہے اس کے ذمہ اس دنیا اور اگلی دنیا دونوں کے فرائض عائد ہو جاتے ہیں۔ یعنی اخلاقی بھی اور روحانی بھی۔ خدا کی مرضی کا معلوم کرنا اور اس کا تعمیل کرانا۔ اس طرح مسلم بیک وقت ایک راہب اور ایک سپاہی بن جاتا ہے نمازی بھی بنتا ہے اور میدانِ جنگ میں جانے کے لئے بھی ہر وقت تیار رہتا ہے لیکن صرف اس جنگ کے لئے جو دنیا سے شر کے استیصال کے لئے کی جاتی ہے۔

(Spalding (P116)

اور (Raymond Lerouge) کے الفاظ ہیں۔

نبی عربی اس معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی ہیں جس کا سراغ اس سے قبل تاریخ میں نہیں ملتا۔ انہوں نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی ہے جسے تمام کرۂ ارض پر پھیلنا تھا اور جس میں سوائے عدل اور احسان کے کسی قانون کو رائج نہیں ہونا تھا۔ ان کی تعلیم تمام انسانوں کی مساوات، باہمی تعاون اور عالمگیر اخوت تھی۔

Vie De Mahomat (P.18-19)

انسانی مساوات کی ایسی دنیا جس کی نظیر کہیں اور نہیں مل سکتی۔

محمدؐ کے مذہب نے اس حقیقی اور اولین جمہوریت کا اعلان کیا جو کسی انسان کے ذہن میں نہ آسکی تھی۔ اسکا خدا اتنی بلند و بالا کبریائی کا مالک تھا کہ اس کی نگاہ میں دنیا کے تمام امتیازات ہیچ اور رنگ و نسل کی تمام گہری خلیجیں ناپید تھیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ دوسروں کی مانند معاشرتی طبقات مسلمانوں میں بھی موجود ہیں لیکن بنیادی (یعنی روحانی) طور پر تمام مسلمان برابر ہیں اور یہ بنیادی مساوات عیسائیوں کی مساوات کی طرح محض افسانہ نہیں۔ بلکہ ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے ...... یہ صرف مسلمانوں کی ہی خصوصیت ہے کہ وہ اسود و احمر کے ظاہری امتیاز کے باوجود ہر جگہ بطور ایک نسل کے تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور اس جذبہ اخوت کی بنیاد رنگ و نسل نہیں بلکہ عقیدہ ہوتی ہے۔

Dr. Mawde Royden -in- The Problom of Palestine.(P.37)

دنیائے مذہب میں ایک نئے باب کا اضافہ۔

اسلام مذہبی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے۔ یہ معتقدات و رسومات کا مجموعہ نہیں۔ یہ تو ایک روحانی توانائی ہے۔ ایک تخم صالحہ اور زندہ ہے۔ یہ اپنی زندگی میں بالیدگی پیدا کرتا ہے اور دوسری روحانی زندگیوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یہ سب کچھ ایسے آئینی ضابطہ کی رو سے کرتا ہے جس کا صحیح مفہوم اسی صورت میں سمجھ میں آسکتا ہے جب اسے وسیع پیمانے پر عمل میں لایا جائے۔

Tor Andrae - Mohammad, tho Man and His faith (.11)

کھلا کھلا دین۔ آیات بینات۔ واضح تعلیم۔

اسلام کوئی ناممکن الحصول نصب العین پیش نہیں کرتا۔ کوئی الہیاتی پیچیدگیاں نہیں، کوئی باطنی رموز و اسرار نہیں۔ کوئی برہمنیت کی وراثت نہیں۔

Hitti. (P.129)

ایک مکمل تہذیب۔

اسلام ایک ضابطۂ الہیات سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ ایک مکمل تہذیب ہے۔

Gibb - Whither Islam (P.12)

ابدی حقائق کی بنیادوں پر قائم۔

محمدؐ کا مذہب شک و ابہام سے بالکل مبرا ہے اور قرآن وحدت خدا کی توحید کی درخشندہ شہادت۔ نبی عربی نے بتوں انسانوں اور اجرام مادی کی پرستش کو اس بصیرت افروز دلیل کی بناء پر رد کر دیا کہ جو طلوع ہوتا ہے وہ غروب بھی ہوتا ہے۔ جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا بھی ہے۔ جس کی بنیاد میں فساد ہے اس کا مآل ہلاکت اور تباہی ہے۔ آپ کے دینی جوش اور ولولہ نے جو مبنی علی البصیرت تھا، خالق کائنات کی صورت میں اس لا انتہا ذات سرمدی کا اقرار کر کے اسے مرکز حمد و ستائش قرار دیدیا جو صورت اور مکان کی جہت سے بلند اور اولاد و مثیل کی نسبتوں سے بالا تھی۔ وہ ذات جو ہمارے پوشیدہ خیالات تک میں موجود اور خود اپنی ذات سے قائم ہے اور جس کے سرچشمہ سے عقل و اخلاق کے جوہروں کی تکمیل ہوتی ہے یہ مسلک توحید اس قدر بلند ہے کہ ہماری موجودہ استعداد کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

جو چیز ہمارے لئے سب سے زیادہ وجہ حیرت ہے وہ اسلام کی اس قدر جلد اشاعت نہیں بلکہ یہ کہ اس کی

تعلیم کس قدر ابدی حقائق پر مبنی ہے۔ وہی سادہ لیکن مکمل نقش جو محمد عربی نے مکہ اور مدینہ میں انسانی قلوب پر سکوک کیا۔ ان بارہ صدیوں کے انقلابات کے باوجود ہندوستان سے افریقہ تک قرآن کے متبعین کے ہاں محفوظ چلا آتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے مذہب اور عقیدہ کے مقصود کو عام انسانی حواس و تخیل کی سطح پر اترنے نہیں دیا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسلام کا نہایت سادہ اور غیر متبدل عقیدہ ہے۔ ان کا خدائی تصور بھی کبھی مرئی ہستیوں کا شرمندہ نہیں ہوسکا۔ رسول اللہ کا درجہ کبھی بشریت کی حد سے تجاوز نہیں کرسکا۔ اس کی زندہ تعلیمات نے اس کے متبعین کے جذبات عقیدت کو دین ودانش کے حدود سے باہر نہیں جانے دیا۔ یہ ہے اسلام کی سادہ اور ابدی تعلیم۔

Gibbon — Decline and Fall of Roman Empire.

وہ ضابطۂ حیات جس نے انسانیت کو ایک نئی فکر سے روشناس کرایا۔

دنیا کی مقدس کتابوں میں قرآن ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ یہ اپنی نوع کے لٹریچر میں سب سے کمسن واقع ہوا ہے لیکن اس اثر کے اعتبار سے جو اس نے نوعِ انسانی کے دلوں پر کیا ہے کوئی بھی اس پر غالب نہیں آسکتا۔ اس نے انسانیت کو ایک نئے فکر سے روشناس کرایا ہے اور اسے ایک جدید انداز کی سیرت عطا کی ہے۔ اس نے جو محیر العقول اصلاحات کیں اور تعجب انگیز کامیابیاں حاصل کیں وہ محض عہد کہن کی داستانیں نہ تھیں، وہ آج بھی یہی کچھ کر رہا ہے۔ Margoliouth

---

زندگی کے ہر شعبہ میں خضرِ راہ

اسلام میں قرآن وسیع ترین مفہوم میں ضابطۂ حیات تھا جو ایک فرد کی زندگی کی انفرادی اور اجتماعی دونوں جہتوں کو محیط تھا اور اس کی ہر شعبہ میں ہدایت کرتا تھا۔ آج تک مسلمانوں کی ہر جماعت کے لئے قرآن ایک ناقابلِ تغیر اصولِ زندگی ہے۔ یہ الٰہیات، شعائر و مناسک، دیوانی اور فوجداری قوانین اور اخلاقی ضوابط سب کا مجموعہ ہے۔

Religion in Science and Civilisation, by Sir Richard Gregory (P.80)

ایک وقتی اور ہنگامی انقلاب نہیں کہ جو بگولے کی طرح اٹھے اور حباب کی طرح بیٹھ جائے۔ بلکہ ایک ایسا انقلاب جس نے

مستقل انقلاب

حیاتِ کائنات کو متاثر کر دیا جس نے انسانی ضمیر کی گہرائیوں میں جگہ پکڑی جس نے دنیا کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا۔ وہ انقلاب جس نے جہالت کی تاریکیوں کو علم کی روشنی سے بدل دیا جس نے مذہب جیسی خالصۃً جذباتی چیز کی بنیاد بصیرت پر رکھدی اور عقل و دانش کی بے کیف اور بے رنگ دنیا کو عشق کی مستیوں اور رنگینیوں سے معمور کر دیا جس نے ایاز کو آئینِ غزنوی اور غزنوی کو آدابِ ایازی سکھا دیئے۔ وہ بانگِ درا جس نے انسانیت کے راہ گم کردہ قافلہ کو صحیح راستہ پر لگا دیا جس نے علم و عقل سے راستے کے چراغ روشن اور ایمان اور ایقان سے منزل کے نشان متعین کئے۔ غرضیکہ وہ انقلاب جس نے دنیا کو وہ سب کچھ دیا جس پر دنیا آج فخر کر رہی ہے۔ اگر تاریخِ انسانیت میں یہ انقلاب نہ آتا تو دنیا آج مٹی کے گھروندے سے زیادہ کچھ نہ ہوتی اور انسان ابھی تک اپنے ارتقاء کی ابتدائی منازل میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا۔ سنیئے کہ خود یورپ کے اربابِ علم و ہنر اس حقیقت کا اعتراف کیسے واضح الفاظ میں کرتے ہیں۔

> اس (عہدِ ظلمت کے بعد) ازمنہ متوسط میں جو ترقیاں ہوئیں وہ عربوں کے اثر کا نتیجہ تھیں۔ عیسائیت اور اسلام صلیبی جنگوں کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے قریب آئے۔ جس طرح طلعم بنی اسرائیل پر لعنت بھیجنے کے لئے آیا لیکن ان کے لئے برکت کا موجب بن گیا۔ اسی طرح مسیحی دنیا مسلمانوں کے خلاف صلیبی لڑائیاں لڑنے کے لئے آئی لیکن مسلمانوں کے قدموں میں بیٹھ گئی تاکہ ان سے تحصیلِ علم کرے۔ صلیبیئے نیم وحشی سپاہیوں نے دیکھا کہ یہ کفار" (یعنی مسلمان) اگرچہ مذہبی طور پر (ان کے نزدیک) قابلِ ہلاکت ہیں لیکن وہ ایک ایسی تہذیب کے مالک ہیں جو ان کی اپنی تہذیب سے بدرجہا فائق ہے۔ مسلم ثقافت کا یہی وہ اثر تھا جس نے ازمنہ وسطیٰ کی تاریکیوں کا خاتمہ کر کے عہدِ حاضر کی روشنی کا آفتاب طلوع کیا
>
> The Science of History, by F.J.C.Hearnshaw

اسی انقلاب سے یورپ کی زندگی کی ابتدا ہوئی۔

> مسلمانوں نے صرف ملکوں کو فتح نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی مفتوحہ زمین میں اسلام کی تخم ریزی کی اس تخم سے مساجد کا وجود منصۂ شہود پر آیا۔ ہر مسجد کا اپنا مکتب تھا۔ علم کے متلاشی سیاسی مدبرین سے بھی زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ایک قافلۂ تجارت جہاں ریشم اور سوتی کپڑے لاد کر لاتا تھا اس کے ساتھ ہی اس کے اونٹوں پر ہندوستان اور بازنطین کی کتابوں کے مسودے اور اقصائے عالم سے معدنیات اور نباتیات کے نمونے بھی لدے ہوتے تھے۔۔۔۔ کتب خانے اور رسدگاہیں زندگی کا جزو بن چکی تھیں۔۔۔۔۔ یہ انسانی ذوق کا ایک نیا کھیل تھا جسے نہایت جوش و انہماک سے کھیلا گیا۔ اس کھیل کو یونانیوں نے بھی اس حسن و خوبی سے نہیں کھیلا۔۔۔۔۔ ان ہی عربوں کے ہاتھوں یورپ نے زندگی

کی ابتدا پائی اور ان ہی سے اس نے فلکیات۔ نباتیات۔ کیمیا، قانون، ریاضی، طب اور فلسفہ کا پہلا سبق لیا۔

Sey; Civilisation (P.644)

اس سے ساری دنیا حیات نو سے روشناس ہوئی۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ پندرہویں صدی میں نہیں ہوئی۔ بلکہ اس وقت ہوئی جب یورپ عربوں کے کلچر سے متاثر ہوا۔ یورپ کی خلقت جدیدہ کا گہوارہ اٹلی نہیں بلکہ اندلس ہے ادھر روما کی تہذیب گرتے گرتے بربریت کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اور ادھر دنیائے اسلام (بغداد، قرطبہ، قاہرہ) تہذیب و ذہنی تحریکات کے مرکز بن رہے تھے۔ انہی شہروں میں وہ نئی زندگی نمودار ہوئی جسے انسانی ارتقا میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنا تھا۔ جس وقت نئی تہذیب محسوس طور پر سامنے آئی دنیا حیات نو سے شناسا ہوئی۔۔۔ اگر عرب نہ ہوتے تو یورپ کی تہذیب کا وجود عمل میں نہ آتا۔ ان کے بغیر یہ یقیناً اس خصوصیت کو حاصل نہ کر سکتا تھا جس نے اسے ارتقائی مراحل میں بلند ترین سطح پر لاکھڑا کیا۔ مغربی کلچر میں کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں عربی ثقافت کا رنگ نہ جھلکتا ہو۔ لیکن ایک شعبہ تو ایسا ہے جس میں یہ رنگ بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے اور یہی وہ شعبہ ہے جو درحقیقت عصر حاضر کی حقیقی قوت کا باعث اور اس کی فتوحات کا ذریعہ ہے۔ یعنی علم الاشیاء سائنس کی روح ہماری سائنس صرف اسی حد تک عربوں کی رہین منت نہیں کہ انہوں نے ہمیں عجیب و غریب نظریات و انکشافات سے روشناس کرایا نہیں بلکہ ہماری سائنس کا وجود ہی ان کا شرمندۂ احسان ہے اسلام سے پہلے کی دنیا درحقیقت زمانہ قبل از سائنس (PRE-SCIENTIFIC) تھا۔ پندرہویں صدی تک یورپ ان ہی علوم و فنون کو اپناتا رہا جو اسے مسلمانوں نے دیئے تھے۔ اس پر کوئی اضافہ نہ کر سکا۔۔۔۔ جب اندلس میں تہذیب و ثقافت نے پھر تاریکیوں کی چادر اوڑھ لی تو یورپ میں وہ "جن" نمودار ہوا جسے اندلس کی سرزمین نے پیدا کیا تھا۔ یورپ کو زندگی نہ صرف سائنس نے دی۔ اسلام کے گوناگوں اثرات اس کی حرارت کا موجب بنے۔

Briffault, in Making of Humanity

اور یہ سب قرآن کی بدولت تھا۔

تحقیق جدید نے ہمیں اس نتیجہ پر پہنچا دیا ہے کہ یورپ کے علماء نشاۃ ثانیہ سے پہلے یونانی فلسفہ، ریاضی فلکیات اور دیگر علوم کے متعلق جو کچھ جانتے تھے ان کا منبع لاطینی کتابیں تھیں اور ان کا سرچشمہ عربی

> علوم تھے اور جس قوت نے عربوں کے دل میں ان علوم کا شوق پیدا کیا وہ قرآن تھا۔ نہ صرف فنی علوم ہی بلکہ لسانیات، شاعری اور ادب کی دوسری شاخیں بھی قرآن کی اشاعت کے ساتھ ہی نمودار ہوئیں اور اس طرح جس ادبی تحریک کی ابتدا ہوئی اس سے علم و ہنر اور ذہانت و فطانت کے شاندار ثمرات ظہور میں آئے۔
>
> Margoliouth

پھر جس طرح اس انقلابِ عظیم نے دنیا کو وہ سب کچھ دیا جس پر دنیا آج فخر کر رہی ہے۔ اسی طرح یہ دنیا کو وہ سب کچھ بھی دے سکتا ہے جس کی تلاش میں دنیا آج اس طرح مضطرب و پریشان ماری ماری پھر رہی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف برنارڈ شا کی زبان سے سنئے۔ وہ کہتا ہے۔

> میں نے محمدؐ کے مذہب کو اس کی توانائی کی بناء پر ہمیشہ بہ نگاہِ احترام دیکھا ہے۔ میرے نزدیک دنیا میں تنہا یہی مذہب ہے جس میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا پیغام ہر زمانے کے لوگوں کو اپیل کر سکتا ہے۔ میں نے اس حیرت انگیز شخصیت کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ مسیحؑ کا نقیض ہونے کے بجائے، بجا طور پر نوعِ انسانی کا نجات دہندہ کہلا سکتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اگر آج اس جیسا انسان دنیا کی آمریت سنبھال لے تو وہ اس کے مسائل کا اس خوبی سے حل پیدا کر سکتا ہے کہ یہ دنیا پھر سے اس امن و مسرت کی زندگی کو پالے جس کی آج اشد ضرورت ہے۔ میں نے یہ پیش گوئی کی ہے کہ جس طرح آج کا یورپ اس مذہب کو قبول کرنے پر آمادہ ہو رہا ہے اسی طرح کل کا یورپ بھی اس مذہب کو قبول کرے گا۔

پوچھئے تاریخ کی رسدگاہوں سے کہ دنیا میں اس قسم کی کامیاب زندگی کسی اور کے حصہ میں بھی آئی ہے؟ اور یہ تمام کامیابی نہایت سادگی اور متانت کے ساتھ۔

> آج جبکہ خود ہمارے عہد کے انسانوں نے ان تمام تفاصیل کو بے نقاب کر دیا جو اس انقلاب آفریں شخصیت کی زندگی سے متعلق ہیں۔ اس کی ابتدائی اور آخری ہر دو ادوارِ حیات سے متعلق اس حقیقت کا کماحقہٗ سمجھنا پھر بھی آسان نہیں ہوا کہ اس عظیم القدر ہستی کا کردار کس قدر بلند اور اس کی محیر العقول کامیابی کا راز کیا تھا۔ اس نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسے خدائی قوتیں حاصل ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو ایک عام انسان اور خدا کے پیغامبر سے زیادہ حیثیت کبھی نہیں دی۔ بایں ہمہ اپنی قوم کے ممتاز ترین افراد کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا اور ان پر اپنے کردار کا ایسا گہرا اثر ڈالا کہ اس زمانے

میں جب کہ اسے چاروں طرف سے مصائب و افلاس نے گھیر رکھا تھا اور نہ اس وقت جب وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک تھا اسے اپنی جماعت کے کسی ایک فرد کے خلاف غداری کی شکایت ہوئی ۔ اسے اپنی ذات پر اعتماد اور نصرتِ خداوندی پر یقینِ محکم شکست اور مایوسی کی حالت میں اس سے بھی کہیں اور زیادہ ہوتا تھا جب وہ فتح و ظفر کی حالت میں دشمنوں سے اپنی شرائط منواتا تھا۔ اس نے اسی طرح زندگی بسر کی اور اس کے بعد اپنے دورِ اول کے متبعین، عقیدت مندوں اور احباب کے حلقہ میں (نہایت سکون سے) آنکھیں بند کر لیں۔ نہ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ زیرِ نقاب رہا۔ نہ اس کی موت کسی رازداری کی موت ہوئی۔

M.H.Hyndman; The Awakening of Asia. (P.9)

یہی وہ حقائق ہیں جن کے پیشِ نظر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہو گیا کہ

"تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیتوں میں محمدؐ سب سے زیادہ کامیاب ہیں۔"

اور جب حقیقت یہ ہے تو پھر وہ اور کونسی شخصیت ہو سکتی ہے جسے مقامِ محمودیت[1] پر جلوہ فرما ہونے کا حق پہنچ سکتا ہے۔ اس میں

مقامِ محمودیت

کسی جذباتی عقیدت کو دخل نہیں بلکہ یہ ایک واقعہ نفس الامری کا اظہار ہے کہ دنیائے انسانیت میں آج جو کچھ قابلِ حمد و ستائش اور درخورِ تحسین و تبریک نظر آتا ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ایک نسبت رکھتا ہے ذاتِ محمدؐ رسول اللہ سے اور جو انسان چاہتا ہے کہ وہ درخورِ حمد و ستائش ہو جائے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی کوشش میں ہے کہ اس راستہ پر چل نکلے جو سیرتِ محمدیہ نے دنیا میں متعین کر کے دکھایا۔

هر کجا بینی جہانِ رنگ و بو   آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہا است   یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

آج محفلِ کائنات میں کوئی شمع جلوہ فگن نہیں جو اس سراجِ منیر سے کسبِ ضیا نہ کر رہی ہو۔ اس تیرہ سو برس کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے اور پھر دیکھئے کہ دُنیا آہستہ آہستہ اسی نظام کی طرف آ رہی ہے یا نہیں جو محمد رسول اللہ والذین معہ نے اس دنیا میں متشکل کر کے دکھایا تھا۔ دیکھئے کہ اس عرصہ میں جس قدر انقلابات دنیا میں آئے اور جنہیں دنیا نے نوعِ انسانی کے لئے موجبِ خیر و برکت قرار دیا۔ ان کا سرچشمہ کہاں تھا؟ دنیا نے ملوکیت کو لعنت قرار دیا اور نوعِ انسانی

دُنیا کس طرف جا رہی ہے؟

کی جمہوریت اور آزادی کو مطابقِ فطرت سمجھا۔ لیکن غور کیجئے کہ دنیا میں سب سے

---

[1] عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً ۔ وہ مقام جو حمد و ستائش کے ہر عنوان کا مرجع ہو۔

پہلے ملوکیت کو نظامِ انسانیت کے لئے فسادِ عظیم کس نے قرار دیا۔ اور کس نے انسانیت کو صحیح حرّیتِ فکر و عمل کا پیغام دیا؟۔

دنیا نے دینی پیشوائی ([illegible]) کو انسانی استبداد کا مقدس نقاب بتایا۔ لیکن دیکھئے کہ سب سے پہلے کس نے اس نقاب کی دھجیاں فضائے عالم میں بکھیریں؟ اور کس نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہیں ہوسکتی۔

دنیا نے غلامی کو جسدِ انسانیت کے لئے جذام قرار دیا۔ لیکن سوچئے کہ سب سے پہلے کس نے غلامی کو جرمِ عظیم قرار دیا اور ان تمام راہوں کو بند کر دیا جن سے یہ جراثیم داخل ہوا کرتے تھے۔ آج دنیا ذات پات کی تمیز کو انسانیت کی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں محسوس کر رہی ہے اور ہندوستان میں ویدوں اور شاستروں کی تعلیم کے علی الرغم اس کے استیصال کی کوششیں جاری ہیں لیکن غور کیجئے کہ دنیا میں سب سے پہلے کس نے یہ اعلان کیا کہ تمام نوعِ انسانی کی تخلیق نفسِ واحدہ سے ہوتی ہے اور پیدائش کے اعتبار سے کسی کو کسی دوسرے پر فوقیت یا افضلیت نہیں۔ عزّت و تکریم کا معیار انسانی سیرت کی بلندی ہے نسلی تفوق نہیں۔

آج دنیا انسانوں کی جغرافیائی اور نسلی یا لسانی تقسیم (وطنیت، نیشنلزم) میں جہنم کی آگ محسوس کر رہی ہے لیکن دیکھئے کہ وہ کون تھا جس نے سب سے پہلے حبش کے غلام اور قریش مکہ کے نجیب الطرفین سردار کو ایک قوم کے افراد بنا کر عملاً ان غیر فطری حدود و قیود کو مٹایا۔

آج دنیا نوعِ انسانی کی امن و سلامتی کا خواب تمام انسانوں کے لئے ایک نظام کی شکل میں دیکھ رہی ہے لیکن سوچئے کہ وہ کون تھا جس نے سب سے پہلے آواز دی کہ۔ تمام نوعِ انسانی ایک اُمّتِ واحدہ ہے اس لئے اسے ایک ہی نظام کے رشتہ میں منسلک ہونا چاہئے۔

آج دنیا سرمایہ داری کے نظامِ معیشت کو موجودہ عالمگیر مصائب و نوائب کا بنیادی سبب قرار دے رہی ہے لیکن دیکھئے کہ تاریخِ انسانیت میں سب سے پہلے اس مردود نظام کے خلاف سب سے پہلے کس نے صدائے احتجاج بلند کی۔ وہ کون تھا جس نے احتکار و اکتناز کو بہت بڑا جرم قرار دیا۔ زمین پر انفرادی ملکیت کو ناجائز قرار دیا۔ دولت کو امراء کے طبقہ میں گردش کرتے رہنے سے روکا اور انسان کی جائز ضروریات کے بعد جو کچھ باقی بچے اسے نظامِ اجتماعیہ کی امانت قرار دیا۔ اور اس نظام کو ان تمام انسانوں کی معاش کا ذمہ دار ٹھیرایا جو اس کے حیطۂ اثر میں ہوں

آج دنیا میں قیامِ امن کا واحد ذریعہ یہی سوچا جا رہا ہے کہ کوئی ایسی جماعت موجود ہونی چاہئے جو اقوامِ عالم کے متنازعہ فیہ معاملات میں تحکیم کا کام دے اور جس کے فیصلوں سے سرتابی کی مجال کسی کو نہ ہو۔ لیکن تاریخِ انسانی سے پوچھئے کہ وہ کون تھا جس نے سب سے پہلے یہ تخیل دنیا کو دیا اور ایک "اُمّتِ وسطیٰ" کو نوعِ انسانی کے لئے امن و مسرت

کا ضامن ٹھہرایا۔

آج استقرائی علم کو نوعِ انسانی کے لئے احسانِ عظیم تصور کیا جاتا ہے کہ سائنس کے یہ تمام انکشافات و اختراعات اور علومِ انسانی کے شعبوں میں سب فروغ وارتقاع اسی کا رہینِ کرم ہے۔ لیکن پوچھئے اربابِ علم و فن سے کہ ذہنِ انسانی کو سب سے پہلے استقرائی علم سے کس نے روشناس کرایا اور کس نے اسے عملاً رائج ؟

عائلی زندگی میں آج طبقۂ نسواں کے حقوق و واجبات پر اس قدر زور دیا جا رہا ہے لیکن سوچئے کہ وہ کون تھا جس نے سب سے پہلے ان کے حقوق و واجبات کی طرف دنیا کو متوجہ کیا اور انہیں صفِ زندگی میں مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان ہر دو اصناف کے فطری وظائفِ حیات کو بھی نظرانداز نہیں ہونے دیا۔

آپ ان سوالات کو ایک ایک کر کے سامنے لاتے جائیے اور پھر عقیدت مندانہ نگاہ سے نہیں بلکہ خالصتہً غیر جانبدارانہ انداز سے خالی الذہن ہو کر تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ انسان کی داخلی اور خارجی دنیا میں جس قدر ایسے انقلابات آئے ہیں جن کے نتائج تعمیرِ انسانیت کیلئے ممد و معاون ثابت ہوئے ہیں۔ کیا ان کا سرچشمہ وہی تعلیم نہیں جو محمد رسول اللہ نے تیرہ سو سال پہلے دنیا کو دی تھی اور جو آج تک دنیا میں محفوظ چلی آ رہی ہے؟ یہ ایک خالص علمی سوال ہے۔ علمی انداز سے اس کا جواب مرتب کیجئے اور پھر دیکھئے کہ آپ کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں؟ آپ جب اس نگاہ سے رسالت

حدِ فاصل

محمدیہ کا مطالعہ کریں گے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ یہ رسالت نوعِ انسانی کی تاریخ میں ایک حدِ فاصل ہے جو اپنے سے پہلے اور بعد کے زمانہ میں نمایاں امتیاز قائم کرنے کیلئے کھڑی ہے۔ اس رسالت سے نوعِ انسانی کو ایک نیا پیغام ملا جس نے شرفِ انسانیت کی تمام راہوں کو ایک ایک کر کے کھول دیا۔

صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست — عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست
بندۂ مومن ز آیاتِ خداست — ہر جہاں اندر برِ او چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش — می دہد قرآں جہانے دیگرش

اب دنیا کو نہ کسی نئے آئین کی ضرورت ہے نہ کسی دوسرے آئین لانے والے رسول کی، نوعِ انسانی کی تمام مشکلات کا حل اسی آئین کے اتباع میں ہے کہ سفرِ زندگی میں یہ آئین اس راہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی اور محکم راہ ہے۔

ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم

انقلابِ عظیم کا داعئ اعظم

(صفدر سلیمی)

۱۲ ربیع الاول ہر سال عید میلاد النبیؐ کی تقریبِ سعید کا نقیب بن کر آتا ہے اور عالمِ اسلام کو ایک نئے جذبۂ مسرت سے سرشار کر جاتا ہے۔ اس دن امتِ مسلمہ نوعِ انسانی کے اس عظیم ترین قافلہ سالار کی بارگاہِ عظمت میں پورے جوش و خروش سے نذرِ تحسین پیش کرتی ہے۔ گلی کوچوں کی آرائش و تزئین میں دن رات ایک کیا جاتا ہے۔ جشنِ چراغاں سے در و دیوار جگمگا اٹھتے ہیں۔ زمزمہ ہائے مسرت سے فضا جھوم اٹھتی ہے لاکھوں کے جلوس صلوٰۃ و سلام کے پھول برساتے بازاروں سے گذرتے ہیں۔ جشنِ میلاد کی نکہت بار مجلسیں حضورِ رسالتمآبؐ کی بارگاہِ اقدس و اعظم میں عقیدت کا خراج پیش کرتی ہیں۔ اور عید میلاد کی اس سالانہ تقریب کو انہی ولولہ ہائے ذوق و شوق سے منانے کے بعد یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ہم ایک عظیم ذمہ داری سے بہ تمام و کمال سرخرو ہو گئے۔

حیاتِ طیبہ کے تقاضے

لیکن جس ذاتِ اقدس و اعظم کی یاد منانے کے سلسلے میں یہ سب کچھ سرانجام پاتا ہے اس کی حیاتِ طیبہ کی گہرائیوں میں جا یئے تو صاف نظر آتا ہے کہ اس کے مقدس تقاضوں کی بجا آوری رسومِ عقیدت کے ان مظاہروں سے تکمیل نہیں پا جاتی بلکہ اس کا مطالبہ ان مظاہروں سے کہیں اہم تر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب قلب و نگاہ کی تڑپ اور خلشِ عمل ایک متوارث رسم کی صورت اختیار کر جاتی ہے تو اس سے کسی مقصود و منتہا کی تکمیل ممکن ہی نہیں رہتی۔ ایسی حالت میں جب دلوں کو ٹٹولیئے تو زبانِ حال سے یہ اعتراف ابھر کر سامنے آ جاتا ہے کہ چونکہ دوسری قومیں اور ملتیں اپنے رہنماؤں اور پیشواؤں کا یومِ ولادت مناتی ہیں اس لئے ہم اس سلسلہ میں کیوں پیچھے رہیں اور کیوں نہ اپنے ہادئ اکبرؐ کے میلاد کی تقریب اور جشن منائیں۔ جب اندازِ فکر اور ذہنیت یہ ہو تو نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ پوری نوعِ انسانی کے رہنمائے جلیل اور پیشوائے

فریبی کے عالم آرا سیرت و کردار عالمگیر عظمتیں ایک امت کی رسمی عقیدت کے دائرے میں محدود ہوکر رہ جائیں گی اور اس کی عالم آرائی کا تعلق باقی انسانوں، قوموں اور امتوں سے کٹ کر رہ جائے گا۔ کیا یہ اسی رسمی عقیدت کی کوتاہ اندیشی کا نتیجہ نہیں کہ خدا کی کتاب جو "ذکر للعالمین" کا دعوے لے کر آئی تھی وہ مسلمانوں کی مذہبی کتاب" بن کر رہ گئی۔ اور پوری نوعِ انسانی کا وہ قافلہ سالار جو "رحمۃ للعالمین" بن کر آیا تھا وہ محض "مسلمانوں کے پیغمبر" کی حیثیت اختیار کر گیا؛ سوچئے کہ اس ذہنیت نے عالمگیر رشد و ہدایت کے ان سرچشموں کے گرد رسمی عقیدت کے کیسے کیسے بند باندھ کر رکھ دیئے۔ اور عالمگیر انسانیت کے قیام سے ان کی بدولت بھٹکی ہوئی نوعِ انسانی جس جنتِ ارضی میں آباد ہو سکتی تھی اس کا امکان کس طرح خطرے میں پڑ گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسانی جذبات کے مظاہرے محسوس پیکروں میں ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر اس تقریب کی مسرت آفریں کیفیت تبریک اور تحسین و جمیل محفلوں کی شکل میں اظہار کیا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ مظاہر محض رسمیات بن کر رہ جائیں۔ جو مقدس جذبات کے ہونے کے بجائے محض جذباتی تقلیدی جوش کی آئینہ بردار ہوں۔

ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ جب تک حضور رسالتمآب کی عظمت کو عالمگیر انسانیت کے پیشوائے اعظم کی حیثیت سے دنیا کے سامنے نہیں لایا جائے گا اور جب تک اقوامِ عالم یہ باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گی کہ حضور نبی اکرم کی ذاتِ اقدس و اعظم تاریخ انسانی کے ہر دور اور نوعِ انسانی کے ہر گوشہ کے لئے رشد و ہدایت کے عالمگیر سرچشمہ کا منصب رکھتی ہے، اس وقت تک نہ تو ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کا عالمگیر مشن حسن و خوبی سے تکمیل پا سکے گا نہ نوعِ انسانی کی تیرہ بختیوں اور حرماں نصیبیوں کا خاتمہ ہوگا اور نہ خود حضور کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مقدسہ کے وہ درخشاں پہلو نکھر اور ابھر کر اقوامِ عالم کے سامنے آسکیں گے جو ہر زخم کا اندمال، ہر درد کی دوا، اور ہر مرضِ کہن کا چارہ ہیں۔

آزادی کی تڑپ

تاریخ کے اوراق الٹئے اور اس کے بین السطور سے اس حقیقت کا جائزہ لیجئے کہ ایک انسان کے سینے میں مچلتی ہوئی حسین ترین آرزو کیا ہے؟ وہ کونسی بے تابیٔ تمنا ہے جس کی تڑپ اور خلش میں محکوم قوموں کی روح پھڑپھڑاتی رہتی ہے؟ وہ کونسی لیلئے مقصود ہے جس کی خاطر ہزاروں اور لاکھوں من چلوں نے ہر دور میں سر دھڑ کی بازیاں لگائیں۔ تیروں سے چھلنی چھلنی ہوئے۔ گاجر اور مولی کی طرح کٹ گئے۔ مسکراتے ہوئے دیوانہ وار پھانسیوں کے تختوں پر لٹک گئے۔ کیا یہ حسین ترین آرزو، یہ بے تابیٔ تمنا اور یہ لیلئے مقصود اس کے سوا

حکمرانوں کی قومیں خوفناک قوتوں سے ٹکرا گئیں کہ وہ ان کی محکومی کے چنگل سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ قبیلوں کے قبیلے اس لئے کٹ مرے کہ وہ اغیار کی غلامی کو زندگی کا بدترین عذاب سمجھتے تھے۔

صدیوں کی تاریخ کا ایک بار پھر تجزیہ کیجئے اور سوچئے کہ کیا سر دھڑ کی بازی لگانے اور خون کے دریا بہانے سے انسانوں، قبیلوں اور قوموں کو آزادی کی حقیقی دولت نصیب ہو گئی؟ کیا قدم قدم پر یہ بھیانک منظر دکھائی نہیں دیتا کہ ایک قوم نے آگ اور خون کے سمندر پیر کر غیروں کی غلامی اور محکومی کے بندھن توڑے۔ ان کی امنگوں اور آرزوؤں کا سفینہ آزادی کے ساحل تک پہنچا۔ لیکن یہ آزادی خود ان کے لئے غلامی سے بدتر صورت اختیار کر گئی۔ پہلے وہ غیروں کی غلامی سے نجات پانے کے لئے موت سے کھیل رہے تھے لیکن غیروں کی زنجیریں ٹوٹ گئیں تو اپنوں کا استبداد اس سے کہیں بڑھ کر وبالِ جان بن گیا۔

آزادی کا حقیقی مفہوم

آخر یہ کیوں ہے کہ انسان آزادی کی منزل تک پہنچ کر بھی آزادی کی حقیقی مسرتوں سے محروم اور بے نصیب رہا؟ تاریخ کی بارگاہ سے جواب ایک ہی ملے گا اور وہ یہ کہ جس آزادی کی شمع پر انسان نے اس طرح پروانہ وار جل مرنا سیکھا وہ خود آزادی کے مفہوم سے بے بہرہ رہا۔ آزادی کا حقیقی تصور اُسے نہ حکمائے یونان کے فلسفہ و حکمت سے میسّر آیا۔ اور نہ رومۃ الکبریٰ کی دانشوری۔ اس کا مفہوم متعین کر سکی۔ یہ متاعِ بے بہا اگر نوعِ انسانی کو کسی بارگاہ سے حاصل ہوئی تو صرف کاشانۂ محمدی کے بابِ عالی سے۔ اس متاعِ بے بہا کی فیض بخشیاں نہ عرب کے بدوؤں کے لئے مخصوص تھیں اور نہ شام و حجاز کے خطوں سے۔ یہ ایک جوئے تونگی جو عرب و عجم کی عالمگیر وسعتوں کو سیراب کرنے آئی تھی۔ رشد و ہدایت کا یہ وہ آفتاب عالمتاب تھا جو پورے عالمِ انسانی کی تاریکیوں کو حیاتِ تازہ کی عالم آرا نور پاشیاں عطا کرنے آیا تھا۔ مبدائے فیض کی کرم گستری سے وہ رحمۃ للعالمین بنکر آیا اور قرآن نے اُس کے مقام و منصب کا تعارف کراتے ہوئے نوعِ انسانی کو بتایا کہ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۷/۱۵۷)

وہ نوعِ انسانی کو اس بوجھ سے نجات دلائیگا جسکے نیچے وہ کراہ رہی ہے\
اور ان زنجیروں کو توڑ ڈالے گا جو اُسے جکڑے ہوئے ہیں۔

یہ بوجھ اور یہ زنجیریں کیا تھیں جن کے چنگل میں شرفِ انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی تھی۔ اور اس کے نشوونما

کے تقاضے پامال ہوتے جا رہے تھے؛ اور اب وقت آگیا تھا جبکہ نوع انسانی اس بوجھ سے نجات حاصل کرے اور اس کی غلامی و محکومی کی زنجیروں کی ایک ایک کڑی ٹوٹ ٹوٹ کر گرے۔ ان یہ زنجیریں تھیں۔

۱۔ انسانی استبداد کے بندھن
۲۔ مذہبی پیشوائیت کے غیر محسوس چنگل
۳۔ سرمایہ داری کی دسیسہ کاریاں۔

آزادی کا منشور

یہ تھے وہ بت جنہوں نے دنیا بھر کے انسانوں اور اقوام و ملل کو اپنے آستانوں پر وقفِ سجود کر رکھا تھا۔ اور یہ سجدے محض ان کی جبینِ نیاز کے جھکاؤ تک محدود نہیں تھے بلکہ ان کے قلوب و اذہان کی گہرائیوں تک۔ ان اقانیم ثلاثہ کے سطوت و جلال کے تحت سنچے ہوئے تھے۔ اور انسانی غلامی کا یہ سلسلہ گذشتہ کئی صدیوں تک پھیلا ہوا تھا۔ انسانی حرماں نصیبیوں کی اس شب تاریک میں بالآخر وہ صبح بہار طلوع ہوئی جس نے سورج کی کرنوں سے آزادی کا یہ عالم آرا منشور لوح زمانہ پر نقش کر دیا کہ

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (۳/۷۸)

کسی فرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ خدا اسے کتاب حکومت اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ میرے غلام بن جاؤ۔ اسے صرف یہ کہنا چاہیئے کہ تم سب اللہ کے اس ضابطہ قانون کی رُو سے ربانی بن جاؤ جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو اور اس کی تعلیم اپنے دلوں پر نقش کرتے ہو

منشور آزادی کی تفسیر

یہ تھا وہ عالمگیر منشور آزادی جس نے آزادی کا حقیقی مفہوم متعین کیا اور نوع انسانی کو وہ سرفرازیاں عطا کیں جن سے وہ محروم چلی آرہی تھی ــــ یعنی حکومت کا حق صرف ذات خداوندی اور اس کے اقتدار اعلیٰ کے لئے مخصوص کر دیا گیا اور تمام شاہ و گدا، آقا و غلام، امیر و غریب، محمود و ایاز، اسود و احمر، عربی و عجمی، پیر و مرید، محتاج و غنی سب مساوات کی ایک قطار میں کھڑے کر دیئے گئے۔ در خطبہ حجۃ الوداع میں ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا گیا کہ

سنئے نوع انسانی! اسے سن رکھو کہ تمہارا سب کا رب ایک ہے۔ اور تم تمام ایک ہی اصل کی

فضیلت نہیں ہو۔ اس لئے عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

یاد رکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس طرح تم روئے زمین کے مسلمان ایک رشتہ اخوت میں منسلک ہو۔

تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو، قیامت تک کے لئے ایک دوسرے کے نزدیک اسی طرح محترم ہونی چاہئے جس طرح یہ دن اس مہینے میں اور اس شہر میں واجب احترام ہے۔

یہ قرآن کے منشور آزادی کی وہ تفسیر تھی جو حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر انسانیت کے قافلہ سالار کی زبانی ہر دوسس گوش بن رہی تھی۔ اس منشور نے حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ اور فارس کے سلمانؓ کو قریش مکہ کے پہلو بہ پہلو لا کر کھڑا کر دیا۔ وطن، رنگ اور نسل کے تمام امتیازات زیر زمین دفن کر دیئے گئے۔ جغرافیائی حد بندیوں کے اختلافات کا نام و نشان تک مٹ گیا اور تاریخ انسانی میں پہلی بار عالمگیر انسانیت کا تصور محسوس و مشہود پیکروں میں ڈھل کر سب کے سامنے آ گیا۔ ایک طرف عرفات کے میدان میں قرآن کے منشور آزادی کی یہ تفسیر پیش کی جا رہی تھی اور دوسری طرف وحی خداوندی کا یہ آخری اعلان نوع انسانی کے نام نازل ہو رہا تھا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور (اس طرح) اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کا دین انتخاب کر لیا۔

ہزار ہزار سلام و رحمت ہو نوع انسانی کے اس محسن اعظم پر جس نے دنیا کو آزادی کے صحیح مفہوم سے آشنا ہی نہیں کر دیا بلکہ اس پر عمل کر کے دکھا دیا کہ انسان کس طرح ایک خدا کے قوانین کا محکوم ہو کر دنیا کی ہر چوکھٹ سے مستانہ وار بے نیاز گذر سکتا ہے۔ عید میلاد النبیؐ ہمیں اس عظیم انقلاب کی یاد دلانے کے لئے آتی ہے اور اس کے منانے کا مفہوم اسی صورت میں سامنے آ سکتا ہے کہ ہم ساری دنیا میں اس انقلاب عظیم کا چرچا کر دیں۔ اور پھر اپنی مملکت کو اس زندہ و پائندہ حقیقت کی جیتی جاگتی تصویر بنا دیں۔

حقائق و عبر

ہوئے تم دوست جس کے ......

ہمارے ہاں کتب روایات (بخاری اور مسلم سمیت) میں جو باتیں ایسی ہیں جنہیں کوئی مسلمان جس کے دل میں حضور نبی اکرمؐ، امہات المومنینؓ اور صحابہ کبارؓ کی تعظیم و تکریم کا جذبہ موجود ہے، کبھی ان حضرات گرامی قدر کی طرف منسوب کرنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ ان میں ایک واقعہ افک کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس سلسلے میں بخاری کی روایات میں اس قسم کی باتیں سامنے آتی ہیں جن کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ معاندین اسلام اس قسم کی روایات کی سند سے ان پاکیزہ ہستیوں کے خلاف اس قسم کی دریدہ دہنی سے کام لیتے ہیں جس سے انسان کا خون کھولنے لگتا ہے۔ طلوعِ اسلام نے یہ فریضہ اپنے ذمے لے رکھا ہے کہ وہ اس قسم کی وضعی روایات کی حقیقت کو بے نقاب کرکے حضور نبی اکرمؐ، امہات الامۃؓ اور صحابہ کبارؓ کے دامن تقدس کو ان افسوسناک آلودگیوں سے پاک اور صاف کرکے دنیا کے سامنے لاتے۔ اس مقصد کے پیش نظر اگست ستمبر ۱۹۶۳ء کے طلوعِ اسلام میں علامہ تمنا عمادی مدظلہ کا ایک حقیقت کشا مقالہ شائع کیا گیا تھا جس میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں ان روایات کا تجزیہ کرکے بتایا کہ وہ کس قدر ناقابلِ اعتماد اور یکسر وضعی ہیں۔ یہ مقالہ اور اس پر طلوعِ اسلام کا اضافہ بڑا مفید ثابت ہوا اور ہمیں قارئین کی طرف سے متعدد خطوط موصول ہوئے، جس طلوعِ اسلام کی اس خدمت پر اسے قابلِ مبارکباد قرار دیا گیا۔

لیکن آپ کو معلوم ہے کہ روایت پرست حضرات پر اس کا کیا اثر ہوا؟ سنئے اور سر پکڑ کر بیٹھ جائیے۔ مرکزی جمعیتِ اہلِ حدیث کے ترجمان ہفتہ وار "الاعتصام" کی پانچ قسطوں میں، اس جمعیت کے امیر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا ایک مبسوط مقالہ شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے پورا پورا زور لگا دیا ہے کہ واقعہ افک (معاذ اللہ) بالکل صحیح ہے اور ان روایات پر تنقید کرنے والے قابلِ گردن زدنی ہیں! اناللہ و انا الیہ راجعون ط۔

یعنی کوئی اور قوم ہوتی تو وہ شکر گزار ہوتی کہ اس تحقیق نے ان کے رسولؐ اور رسول کی ازواجِ مطہرات کو ان اعتراضات سے کس طرح پاک اور صاف کر کے رکھ دیا جو غلط روایات کی بنا پر ان کے خلاف عائد کئے جاتے ہیں لیکن یہ قوم ہے کہ ایسا کرنے والوں کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتی ہے اور ان اعتراضات کو صحیح اور سچا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے ——— اور یہ سب کس لئے؟ محض اس لئے کہ امام بخاریؒ کی "معصومیت" پہ حرف نہ آنے پائے۔ یعنی رسولؐ اکرم کی ذاتِ اقدس پہ طعن پڑتا ہے تو پڑے — حضورؐ کی زوجۂ مطہرہ کے خلاف معاندین کو زبان درازی کا موقعہ ملتا ہے تو ملے لیکن امام بخاریؒ کے متعلق یہ تصور نہ پیدا ہونے پائے کہ ان کے مجموعہ میں ایک وضعی روایت بھی شامل ہو گئی ہے۔ ہم اس باب میں اس سے زیادہ اور کیا عرض کریں کہ جو خود جماعت اہلِ حدیث کے امام مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) نے اس قسم کی روایات پر بحث کرتے ہوئے کہا تھا

> "روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو، بہر حال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں۔ اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کیلئے بھی یقینیاتِ دینیہ کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسولؐ کا قول نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑیگا اور نہ زمین شق ہو جائیگی"
>
> (ترجمان القرآن۔ جلد دوم صفحہ [illegible])

۲۔ درایتِ حدیث

ماہنامہ ترجمان القرآن کی مارچ ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں ایک سوال اور اس کا (مودودی صاحب کی طرف سے) حسبِ ذیل جواب شائع ہوا ہے۔

سوال۔ آپنے سورۂ صٓ کی تفسیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق روایت ابو ہریرہؓ کی سند کو درست قرار دیکر مگر اس کے مضمون کو صریح عقل کے خلاف قرار دے کر مسترد کر دیا ہے۔ آپ کے مخالفین اس چیز کو آپکے انکارِ سنت پر بطور دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ آپ عقل کی آڑ لے کر صحیح احادیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ آپ اپنی اس رائے کو بدل دیں یا پھر کوئی نقلی دلیل آپ کے پاس ہو تو تحریر فرمائیں۔ اگر آئمہ اسلاف میں سے کسی نے یہ بات کہی ہے تو اس کا حوالہ تحریر فرمائیں۔

اگر کسی امام نے کسی حدیث کی سند کو درست تسلیم کر کے اس کے مضمون کو صرف خلافِ عقل ہونے کی بنا پر مسترد کر دیا ہو تو اس کا حوالہ تحریر فرمائیں۔

مکرر عرض ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے حضرت سلیمان علیہ السلام ایک رات میں نوّے بیویوں کے پاس گئے تو اس سے کونسی شرعی قباحت لازم آتی ہے۔ کیا آپ بھی جدید مغرب زدہ طبقے سے مرعوب تو نہیں ہو رہے۔

جواب۔ براہ کرم اسی حاشیہ کو بغور پڑھیں جس پر آپ نے اظہار رائے کیا ہے۔ اسی میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ صحت سند کے باوجود اس حدیث کا مضمون کیوں ناقابلِ قبول ہے۔ اور اسی میں یہ بات بھی میں نے بیان کر دی ہے کہ اس امر کا قوی احتمال موجود ہے کہ غالباً حضورؐ نے یہودیوں کی خرافات کا ذکر کیا ہو گا اور سامع کو یا بعد کے کسی راوی کو یہ غلط فہمی لاحق ہو گئی ہو گی کہ یہ بات حضورؐ خود بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔

رہا آپ کا یہ سوال کہ کیا ائمہ سلف میں سے بھی کسی نے کسی حدیث کی سند کے صحیح ہونے کے باوجود اس کے مضمون کو قبول نہیں کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ زاد المعاد میں علامہ ابن قیم حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کردہ حدیث۔ من عشق فعف فمات فهو شهيد" وفی روایۃ" من عشق وکتم وعف وصبر غفر له وادخله الجنة پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لو کان اسناد هذا الحديث كالشمس كان غلطا ووهما۔ اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح روشن ہوتی تب بھی یہ غلط اور وہم ہوتی۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا مضمون صحیح نہیں ہے اور یہ زبان بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں معلوم ہوتی (زاد المعاد، ج ۳ ص ۳۰۶۔ ۳۰۷)

الاستیعاب میں علامہ ابن عبدالبر ایک روایت نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں ان حدیث ابن عمر وهم وغلط وانه لا يصح معناه وان كان اسناده صحيحاً۔ ابن عمرؓ کی حدیث وہم ہے اور غلط ہے اس کا مضمون صحیح نہیں ہے اگرچہ اس کی سند صحیح ہے" (جلد دوم صفحہ ۴۶۶)

یہ بات کچھ بعید از عقل و امکان نہیں ہے کہ ایک شخص نے ایک بات واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو مگر اس کو پوری طرح نہ سمجھا ہو یا موقع محل پر نگاہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو غلط فہمی لاحق ہو گئی ہو۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضورؐ کا یہ ارشاد نقل فرماتے تھے کہ ان الميت يعذب ببكاء اهله۔ میت پر اس کے گھر والوں کے رونے پیٹنے سے عذاب ہوتا ہے۔ یہ بات حضرت عائشہؓ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ ابن عمر کو معاف فرمائے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے مگر انہیں بھول ہو گئی یا وہ سمجھنے میں غلطی کر گئے۔ بات دراصل یہ تھی کہ ایک یہودی عورت کے مرنے پر اس کے گھر والے رو رہے تھے۔ حضور کا وہاں سے گزر ہوا تو آپؐ نے فرمایا یہ یہاں اس پر رو رہے ہیں اور وہ اپنی قبر میں عذاب بھگت رہی ہے۔

اس لئے حدیث کی سند دیکھنے کے ساتھ اس کے مضمون پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ محض سند کی صحت

کا تقاضہ یہ نہیں کہ ہے کہ حدیث کا مضمون لازماً جوں کا توں قبول کر لیا جائے خواہ اس میں عملاً نیہ کوئی قباحت نظر آتی ہو۔

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ ایک رات میں نوے ۹۰ بیویوں کے پاس گئے تو اس سے کونسی شرعی قباحت لازم آتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں شرعی قباحت نہیں بلکہ عقلی قباحت ہے اور عملاً ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ میں نے تو حساب لگا کر بتا دیا تو ۹۰ نہیں ۹۰ بیویاں ہی اگر مان لی جائیں تو لازم آتا ہے کہ دس گھنٹوں تک مسلسل ہر دس منٹ میں ایک بیوی کے پاس حضرت سلیمانؑ جاتے اور اس سے مباشرت کر کے فارغ ہوتے چلے گئے۔ کیا آپ کی عقل میں یہ بات آتی ہے کہ ایک انسان دس گھنٹوں تک مسلسل ہر دس منٹ بعد مباشرت سے فارغ ہوتا رہے اور فوراً وہ دوسری مباشرت کے لئے تیار ہو جائے! اور بالفرض اگر سلیمان علیہ السلام کی یہ حالت تھی بھی تو کیا تمام بیویاں ایسی تیار بیٹھی تھیں کہ ایک بیوی سے فارغ ہوتے ہی حضرت دوسری بیوی کے جاتے ہی فوراً مباشرت میں مشغول ہو جاتے رہے؟ اس طرح کی باتوں کو آپ ماننا چاہیں تو بخوشی مانتے رہیں مگر یاد رکھئے کہ روایات پر ایسا ہی غلط اصرار فتنہ انکار حدیث کو ہوا دے رہا ہے۔

طلوع اسلام

جب روایات کو پرکھنے کا یہی معیار طلوع اسلام کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے تو مودودی صاحب اسے فتنہ انکار حدیث سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنے لئے اس معیار کو عین مطابق دین قرار دیتے ہیں۔

میں جو چپ بیٹھوں سڑی کہلاؤں شیخ چپ بیٹھے تو کل ٹھہرے

سینکڑوں دہریئے اور کمیونسٹ

نوجوان، جو مذہب سے برگشتہ ہو چکے تھے، ان کتابوں کے پڑھنے سے اسلام کے گرویدہ ہو گئے ہیں

سلیم کے نام خطوط

جن میں ان تمام سوالات کا نہایت مدلل، اطمینان بخش اور بصیرت افروز جواب دیا گیا ہے جو عام طور سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دلوں میں اسلام کے متعلق پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ انداز بیان نہایت شگفتہ اور دل نشین ہے۔ یہ خطوط نہیں، بلکہ اسلام کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ قیمت جلد اوّل آٹھ روپے۔ جلد دوم چھ روپے۔ جلد سوم چھ روپے

ملنے کا پتہ:۔ طلوع اسلام ۔ ۲۵ ۔ بی گلبرگ ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روئیداد طلوع اسلام سب کنونشن کوئٹہ

منعقدہ ۱۱ر ۱۲ر ۱۳ر جون ۱۹۶۵ء

(مرتبہ عبدالغفور محسن - کوئٹہ)

۱۹۶۴ء کی کنونشن میں کوئٹہ کے نمائندہ نے جب پہلی بار کوئٹہ میں سب کنونشن کی تجویز پیش کی تو اس تجویز کا خیر مقدم بڑی گرمجوشی سے کیا گیا۔ یہ سب کنونشن اگرچہ میر کارواں کی علالت کی وجہ سے ممکن نہ ہو سکی تاہم احباب کو یقین تھا کہ پاکستان کے اس دور افتادہ دیس ماندہ حصہ کو ایک نہ ایک دن یہ شرف حاصل ہو کر رہے گا۔ اس کے بعد گزشتہ کنونشن میں جب اس تجویز کا اعادہ ہوا تو جہاں شمع قرآنی کے پروانوں نے کوئٹہ بزم کی حوصلہ افزائی کی وہاں اراکین بزم کوئٹہ میں مسرت و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ جن احباب نے کبھی کنونشن میں شرکت نہ کی تھی وہ جب مفکر قرآن اور تعلیمات فکر قرآنی کی کوئٹہ میں تشریف آوری کا تصور کرتے تو اتنے خوش ہوتے، اتنے خوش ہوتے کہ انہیں اپنے آنسوؤں پر قابو پانا مشکل ہو جاتا۔ وہ دعائیں مانگتے کہ انتظار کے مہینے اور ہفتے ایک پل بن کر جلدی سے ختم ہو جائیں اور وہ دیکھیں کہ سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک کیونکر ملا کرتے ہیں۔ بہت سے قالب یک جان کیسے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ چار دن کے لئے جنتی معاشرہ محسوس طور پر کس طرح سامنے آ جاتا ہے۔

ٹھیک اس وقت جب احباب دنیا بھر کی مسکراہٹیں اپنے ہونٹوں میں سموئے سب کنونشن کا بندوبست کرنے میں مشغول تھے اچانک حسن عباس رضوی کے برادر عزیز کی وفات کی اطلاع ملی یہ کارواں عشق و مستی ٹھٹک کر رہ گیا۔ احباب باچشم پرنم ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے اور زبان حال سے پوچھ رہے تھے کہ یہ کیا ہو گیا۔ اب کیا ہو گا؟ رضوی صاحب دوسرے دن لاہور روانہ ہو گئے؛ اور احباب لٹے ہوئے قافلہ کی طرح خاموش بیٹھے اس صدمہ جانکاہ کا تذکرہ کرنے سے بھی احتراز کر رہے تھے۔ جوں جوں یہ خبر دوستوں میں پھیلتی گئی جوش و خروش ٹھنڈا پڑتا چلا گیا۔ وہاں لاہور میں جب میر کارواں کو اس سانحہ ارتحال کی اطلاع

ملی اور اس کے بعد رضوی صاحب سے اُن کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے تعزیت کے ساتھ ساتھ کنونشن کے التوا کا خیال بھی پیش کیا تو رضوی صاحب نے کہا کہ اگرچہ یہ صدمہ ناقابلِ برداشت ہے تاہم کنونشن ضرور ہوگی اس لئے کہ اگر ملتوی کر دی گئی تو پھر شاید کبھی منعقد نہ ہو سکے۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلیہ راجعون۔ کا مفہوم غالباً اس سے قبل اس طرح کبھی نہ سمجھا گیا ہوگا۔ رضوی صاحب درحقیقت عظیم انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

جوں جوں دن قریب آ رہے تھے سنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔ پنڈال کے لئے تو رضوی صاحب کے مکان کو پہلے ہی انتخاب ہو چکا تھا لیکن جب کرایہ پر لائی جانے والی اشیاء کے اخراجات کا تخمینہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ہماری کل مالی کائنات کا بیشتر حصہ صرف اسی پہ اُٹھ جائے گا۔ یہ ایک ایسی دلخراش حقیقت تھی کہ اس سے ہمارے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اراکین اپنی بے بسی پہ مسکرا کر رہ گئے۔ مایوسیوں نے دامن تھام کر کہا کہ اب بھی واپس لوٹ جاؤ۔ آنے والے جانے کیا کیا باتیں بنائیں۔ کہ اچانک ایک طرف سے کوئی پکارا "میں نے بندوبست کر لیا اور مفت کر لیا"۔ سب گھوم کر پکارنے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھانکنے لگے کہ کہیں خدانخواستہ احساسِ بے بسی نے ذہن پر برا اثر تو نہیں ڈالا۔ یہ مفت کہاں سے لے آئے گے

اشعری قبیلہ اتنی بہت سی چیزیں انہیں کون حاتم طائی بغیر کرایہ کے دے دیگا۔ لیکن جب بات کھلی تو سب کی باچھیں کھل گئیں۔ فیصلہ ہوا کہ ہر رکن ہر چیز اپنے گھر سے مہیا کرے۔ جب احباب نے اپنے اثاثہ کی تفصیل بتائی تو چیزیں ضرورت سے زیادہ ہو گئیں۔ ہر ایک کو مناسب تعداد میں چیزیں لانے کے لئے کہا گیا۔ لیکن پھر بھی کنونشن کے دوران کئی چارپائیاں۔ میز اور برتن ایسے تھے جن کے استعمال کی نوبت نہ آئی۔

احباب کی آمد ۸ ارجون کی صبح میل سے مرزا محمد خلیل صاحب تشریف لے آئے اور اُسی شام پروگرام اُن کے سامنے رکھ دیا گیا۔ اُنہوں نے کچھ ترمیمات فرمائیں جن سے دلوں کو اور بھی تقویت ہوگئی

۹ ارجون کی شام کو لاہور سے تین احباب بطور ہراول تشریف لے آئے۔ ۱۰ ارجون کی صبح ایک طرف میرکارواں ہوائی جہاز سے اور دوسری طرف اہلِ کراچی کا قافلہ میل سے ٹھیک ایک ہی وقت پر آ رہے تھے۔ احباب میں سے کچھ کی ڈیوٹی محترم پرویز صاحب کے استقبال پر لگائی گئی اور باقی کو ریلوے سٹیشن پر بھیج دیا گیا۔ ہوائی جہاز صحیح وقت پر کوئٹہ پہنچ گیا۔ جب قافلہ ہوائی اڈہ سے کنونشن ہاؤس پہنچا تو معلوم ہوا ریل گاڑی ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہے۔ یہ قافلہ پھر میرکارواں جناب پرویز صاحب کی سرکردگی میں کراچی کے احباب کے استقبال کے کوئٹہ ریلوے اسٹیشن پہونچا۔ کراچی والوں کی آمد پر کافی رونق ہوگئی اور پرویز صاحب کی تشریف آوری سے احساسِ ذمہ داری اور بڑھ گیا۔ مہمان و میزبان کا فرق آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا تھا۔ اسی شام لاہور کا قافلہ بھی پہنچ گیا اور اس کے

ساتھ ہی سرگودھا۔ لائل پور، ڈیرہ اور راولپنڈی کے احباب بھی تشریف لے آئے۔ رات کے وقت پنڈال میں گہما گہمی پیدا ہو چکی تھی۔ بھائی بھائیوں سے اس طرح دلوں کے دفتر کھولے بیٹھے تھے جیسے بارہ برس کے بچھڑے ہوئے مل رہے ہوں۔ جب رات زیادہ بھیگ گئی تو تھکے ہوئے مہمان اس طرح سو گئے جیسے کوئی پردیس سے اپنے وطن میں پہنچ کر آرام کر رہا ہو۔

پہلا اجلاس

سب کنونشن کا پہلا اجلاس جو تعارفات سے متعلق تھا ۱۱ جون کی صبح دس بجے زیر صدارت محترم قدیر احمد خانصاحب، نمائندہ بزم کوئٹہ منعقد ہوا۔

۱۔ محترم حسن عباس رضوی نے سورۃ فاتحہ تلاوت فرمائی۔

۲۔ محترم پرویز صاحب نے رضوی صاحب کے برادر عزیز کی وفات پر اپنی اور جملہ حاضرین کی طرف سے تعزیت فرمائی۔ حاضرین نے ہاتھ اٹھا کر باچشم پرنم مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی۔

۳۔ محترم محمد خلیل مرزا صاحب نے علامہ اقبالؒ کی نظم

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی

اپنے مخصوص ترنم میں پڑھی۔ علامہ اقبالؒ کی اس نظم کی بھرپور رجائیت سے حاضرین روح میں بالیدگی محسوس کر رہے تھے۔

۴۔ محترم حسن عباس رضوی نے استقبالیہ پڑھ کر سنایا۔ (یہ استقبالیہ اس اشاعت میں شامل ہے)

۵۔ تعارفات کا سلسلہ شروع ہوا تو خاموش کارکنوں کے جوہر کھلنے لگے۔ جب کسی کا تعارف کرایا جاتا تو اس کے چہرے پر سرخی دوڑ جاتی اور جب اس کی تعریف کی جاتی تو وہ احتجاج بھری نظروں سے تعارف کرانے والے کو دیکھتا جیسے کہہ رہا ہو کہ ہم اس تعریف کے لئے نہیں رضائے خداوندی کے لئے کام کر رہے ہیں ــــ اگر کسی صاحب کے تعارف میں کوئی کمی رہ جاتی تو پرویز صاحب خود تشریف لاتے اور چند جچے تلے جملوں میں اس کا تعارف کرا دیتے۔ یہ جملے کبھی تو محفل کو کشت زعفران بنا دیتے اور کبھی دل میں ایسی کسک پیدا کرتے کہ منہ سے بے اختیار آہ نکل جاتی۔ یہ سلسلہ ایک بجے دوپہر تک جاری رہا۔

دوسرا اجلاس

۱۱ر جون کی شام پونے چھ بجے دوسرا اجلاس زیرِ صدارت محترم عزیز احمد قریشی صاحب منعقد ہوا۔

۱۔ محترم قریشی صاحب نے کارروائی شروع ہونے سے پہلے تلاوت قرآن پاک فرمائی۔

۲۔ محترم حسن عباس رضوی کے چھوٹے صاحبزادے صباحت حسن (عمر ۹ سال) نے علامہ اقبالؒ کے قطعات پڑھ کر سنائے

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

۳۔ تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے اراکین میں جو تڑپ ہے وہ اب مسلّم ہو چکی ہے۔ ایسا یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ سوتے جاگتے صرف تحریک کے مستقبل کے متعلق سوچا کرتے ہیں اور ہر کنونشن کے موقع پر اپنے ساتھ ایسی تجاویز کا تحفہ لاتے ہیں جن کے متعلق اُن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو تحریک کا مستقبل اور درخشندہ ہو جائے گا۔ ان میں اکثر تجاویز قابلِ عمل ہوتی ہیں۔ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر عمل کرنے سے فائدہ تو ہو سکتا ہے لیکن تحریک موجودہ حالت میں کسی نہ کسی وجہ سے اُن پر عمل کرنے سے معذور ہوتی ہے۔ کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جو محض وفورِ جذبات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اُن پر عمل تو نہیں ہو سکتا لیکن ان سے محرکین کے دلوں کی گہرائیوں میں کروٹیں لینے والے طوفانوں کا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے

اس اجلاس میں بھی متذکرہ تینوں قسم کی تجاویز آئیں۔ ممبران کے حق میں۔ ان کے خلاف اور بعض اوقات ان کی متبادل تجاویز پر تقاریر ہوتی رہیں۔ ان میں سے جو تجاویز قابلِ عمل تھیں اُن کو اتفاق رائے سے قرار دادوں کی شکل دے دی گئی۔

(یہ قرار دادیں الوداعی اجلاس میں منظور کی گئیں اور اس شمارہ میں شامل ہیں)

تیسرا اجلاس

۱۲ر جون کی صبح سب کنونشن کا تیسرا اجلاس ساڑھے آٹھ بجے اولاً جناب شیخ سراج الحق صاحب اور

پھر محترم عزیز احمد قریشی صاحب کے زیر صدارت منعقد ہوا۔

۱۔ محترم محمد خلیل مرزا صاحب نے تلاوت قرآن پاک فرمائی

۲۔ صدر محترم جناب شیخ سراج الحق صاحب نے حاضرین کو بتایا کہ کالج فنڈ کی کمیٹی "قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی" کے نام سے رجسٹر کرالی گئی ہے۔ انہوں نے محترم محمد خلیل مرزا سے استدعا کی کہ سوسائٹی (کالج فنڈ) کے حسابات کی تفصیلات پیش کریں تاکہ جن حضرات کا چندہ ادا ہونے سے رہ گیا ہے وہ ادا کرسکیں۔

مرزا صاحب موصوف نے ان تفصیلات سے حاضرین کو آگاہ کیا۔

مرزا صاحب نے اُن حضرات کے نام بھی بتائے جنہوں نے ادائیگی کردی ہے اور اُن کے بھی جن کی طرف سے کچھ ادائیگی ہوچکی ہے اور کچھ باقی ہے یا بالکل نہیں ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ جن حضرات نے ابھی تک رقوم ادا نہیں کیں اُن کو فرداً فرداً بھی یاد دھانی کرائی جائے گی۔

۳۔ شیخ سراج الحق صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ مضافات لاہور میں زمین کا ایک ٹکڑا نگاہ میں ہے جو ہمارے پروگرام کے لئے اچھی جگہ ثابت ہوسکتا ہے اب یہ آپ حضرات پر منحصر ہے کہ اس درسگاہ کے لئے آپ کام کی ابتدا کتنی جلدی کرسکتے ہیں۔

انہوں نے اجلاس سے دریافت فرمایا کہ

"کیا آپ اسے پسند کریں گے کہ اراکین بزم طلوع اسلام کے علاوہ بھی کسی سے چندہ لیا جائے۔ اگر سرسید علیہ رحمتہ کے اس طریق کار سے آپ متفق ہوں تو پھر یہ بھی فیصلہ کرلیں۔ کہ چندہ کون وصول کرے اور یہ وصولی کس طرح ہو۔"

اس مسئلہ پر دیر تک غور و خوض ہوتا رہا آخر یہ طے پایا کہ سرسید علیہ رحمتہ کے طریق کار پر عمل کیا جائے۔

(قرارداد کا متن اسی شمارہ میں درج ہے)

انفرادی چندہ کا طریقہ طے ہوا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ آئندہ کنونشن سے قبل کون کتنا چندہ جمع کرسکے گا۔ اس پر مختلف حضرات نے اپنے اپنے حلقہ احباب کے اندازے کے مطابق رقومات لکھوانا شروع کیں۔ ان رقوم کا میزان اختتام اجلاس تک ۲۰۱۰۰ روپیہ تھا

۴۔ احباب نے صاحب صدر کی وساطت سے ادارہ سے استدعا کی کہ آئندہ کنونشن امسال اکتوبر کے وسط میں ہو۔ تاریخوں کا تعین ادارہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔

۵۔ درسگاہ کے متعلق جب محترم پرویز صاحب سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:۔

"آج سے تقریباً ایک سال قبل میری زندگی میں ایک اہم دن آیا تھا۔ یہ وہ دن تھا جب میں زندگی سے

قدرے دور اور موت سے قریب ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالودود صاحب (جو اکثر کہا کرتے ہیں کہ وہ اس دوران مریض کا نہیں خود اپنی زندگی کا علاج کر رہے تھے وہ) بھی دوا سے مایوس ہو کر دعا کا سہارا ڈھونڈ رہے تھے۔ جب اللہ نے مجھے کچھ اور مہلت (EXTENTION) بخش دی، میں ہوش میں آیا اور احباب نے میری حالت کا مجھ سے تذکرہ کیا تو میں نے سب سے پہلے یہی سوچا کہ یہ مہلت مجھے کسی خاص کام کے لئے دی گئی ہے۔ مفہوم القرآن مراحل تکمیل تک پہنچ چکا ہے پھر وہ کیا کام ہے جو ابھی کرنا باقی ہے۔ خیال آیا کہ درسگاہ کا کام ابھی باقی ہے۔ وہ شمع تو ابھی جلی ہی نہیں جس سے ابد الآباد تک دیئے جلا کریں گے میں نے یہ خواہش گذشتہ کنونشن میں احباب کے سامنے پیش کی احباب نے جس انداز سے اس کا خیر مقدم کیا اس سے میرا دل اور بھی بڑھا اور پھر اس وقت سے لے کر اب تک یہ سلسلہ چل رہا ہے۔

"یہ جون کا مہینہ اور اس شدید گرمی میں کوئٹہ تک کا طویل سفر، آپ نے بڑی جفاکشی کا ثبوت دیا ہے۔ جب مقصد پیش نظر ہو اور کام کرنے کی لگن ہو تو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ یہ مقصد یہ لگن ہے جو ہمارے لئے وقت کی طنابیں کھینچے ہوئے ہے اور زندگی وقت ہی کا تو نام ہے۔ وقت جب ضائع ہوتا ہے زندگی کم ہو جاتی ہے اور جب ضائع نہیں ہوتا زندگی بڑھ جاتی ہے۔

برادران عزیز! ہر انقلابی تحریک کی مخالفت ہوتی ہے۔ اگر ہماری مخالفت نہ ہوتی تو ہم سوچتے کہ شاید ہم غلط جا رہے ہیں۔ پھر آپ کی تحریک تو قرآنی انقلاب کا دعوے لیکر اٹھی ہے اس کی مخالفت تو زندگی کے ہر شعبے میں ہو گی۔ انہوں نے مزید فرمایا "یہ حقیقت ہے کہ کوئی انسان بغیر عقیدے کے نہیں رہ سکتا (INDIFFERENT) ہونا بھی تو ایک عقیدہ ہے۔ آپ جب قرآن کی دعوت دیتے ہیں تو ایک شخص آپ کے ساتھ چل دیتا ہے۔ چلتا چلا جاتا ہے پھر اچانک ساتھ چلتے چلتے وہ بگڑ کھڑا ہوتا ہے آپ حیران ہوتے ہیں کہ اسے کیا ہوا۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ جب تک آپ ایسے معبود توڑتے ہیں جن سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی وہ آپ کا ساتھی ہوتا ہے لیکن جونہی اس کا اپنا معبود سامنے آ جاتا ہے اور اس پر ضرب کلیمی پڑنے لگتی ہے وہ تلملا اٹھتا ہے۔ آپ بھی اپنے معبود کو ابھی سے ٹٹول لیجئے کہ وہ کہاں ہے اگر وہ معبود حقیقی کے علاوہ کوئی اور ہے تو اس کی باری بھی ایک دن آ کر رہے گی۔ جان رکھئے کہ توحید میں کسی اور معبود کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔ ان بتوں کو یکے بعد دیگرے ٹوٹ جانا ہے۔ خواہ وہ قلب کی کتنی ہی گہرائیوں میں کیوں نہ جا گزیں ہوں۔

"جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے ہر ایک کے پاس اپ اپنا معبود ہوتا ہے، لیکن نوجوان طبقہ کے پاس آجکل جو معبود ہے وہ ہے دہریت۔ عزیزان من اس بت کو توڑنا کچھ زیادہ مشکل نہیں کیونکہ یہ دل کی گہرائیوں میں جگہ نہیں پا سکتا۔ یہ محض ذہنی انتشار کی تخلیق ہوتا ہے۔

"میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھا کر ان بچوں کو اپنے قریب لے آؤں جو صراطِ مستقیم کی تلاش میں سرگرداں پھر رہے ہیں۔ ان بچوں کو فی الحال میں ہی صحیح تعلیم دے سکوں گا۔ کیونکہ میں نے ان کی مشکلات اور ان موانعات کو سمجھ لیا ہے جو ذہنی ارتقاء کی راہ میں سنگِ گراں بن کر حائل ہیں۔ اگر یہ کام میرے ہاتھوں میں آگیا تو میں ان بچوں میں سے وہ استاد چن سکوں گا جو پھر اس کام کو بڑھا سکیں۔ آپ نے علم کتابوں سے حاصل کیا ہے۔ لیکن یہ نوجوان جن کا میں ذکر کر رہا ہوں اس علم کو درس سے حاصل کریں گے۔ مدرس سے حاصل کیا ہوا علم زیادہ مکمل اور زیادہ ذہن نشین ہوتا ہے۔

"برادرانِ عزیز! ذرائع مقصود بالذات نہیں ہوتے منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتے ہیں لیکن ہوتے بہر حال بہت ضروری ہیں۔ اب جب کہ آپ انفرادی چندہ کرنے کا خیال رکھتے ہیں یاد رکھئے کہ اس سلسلے میں آپ کا کردار بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آپ کا کردار بلند ہوگا تو آپ دوسروں کو نسبتاً زیادہ آسانی سے متاثر کر سکیں گے آپ کی طرف سے بد معاملگی نہ ہوں۔ آپ کو جھوٹ سے پرہیز کرنا ہے قرآن کی رو سے بلند مقاصد حاصل کرنے کے لئے بھی جھوٹ بولنا جرم ہے۔ وہ لوگ جو اچھے مقاصد کے لئے برے طریقے استعمال کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں غلطی پر ہیں۔ آپ کو کوئی غلط ذریعہ استعمال نہیں کرنا ہے۔ ہمیں چھپروں کے نیچے بیٹھنا منظور ہے لیکن غلط طریقہ سے حاصل کی ہوئی دولت سے محل بنانا منظور نہیں۔ خواہ مخواہ الجھنے والے لوگوں سے بچئے اور بڑے حسن کارانہ انداز میں ان سے پیچھا چھڑا لیجئے۔ کیونکہ یہ لوگ سوائے اس کے کہ آپ کو مقصد سے دل برداشتہ کر دیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔"

"برادرانِ عزیز! جتنی دیر ہو رہی قوم کا سرمایہ ضائع ہو رہا ہے۔ جو بچے قرآن حکیم کے مطابق تربیت حاصل کرنے سے محروم رہے جا رہے ہیں۔ انکی ذمہ داری ہم پر عاید ہوتی ہے۔ اگر ہم نے اپنی ذمہ داری پوری نہ کی تو یہ بارگاہِ انسانیت میں ایک بہت بڑا جرم ہوگا۔"

پریس کانفرنس

۱۲ جون کی شام گرینڈ ہوٹل میں پریس کانفرنس منعقد ہوئی روزنامہ ڈان کراچی۔ پی پی اے۔ اور ریڈیو پاکستان کے نمائندوں کے علاوہ مقامی اخبارات کے نمائندگان بھی تشریف لائے صحافی حضرات سے ایک گھنٹہ سے کچھ زیادہ عرصہ تک بات چیت رہی۔ ان کے سوالات کے جواب میں محترم پرویز صاحب نے ان کے سامنے قرآن حکیم کا زاویۂ نگاہ رکھا اور بات کو ان کے ذہن نشین کرنے کے لئے تفصیلات میں بھی گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم نے پرویز صاحب کے متعلق ان کے خلاف مشہور الزامات سن کر یہ تصور کیا تھا۔ کہ پرویز صاحب ہماری تسلی نہیں کر سکیں گے لیکن وہ تو اس طرح بات کر رہے تھے جیسے ہمارے دل کی باتیں تھیں۔ ہمیں غلط اطلاعات ملی تھیں اور ہم نے پرویز صاحب کو ان

سے بہت مختلف پایا ہے۔

مجلسِ استفسارات

اُسی شب کو نو بجے مجلسِ استفسارات منعقد کی گئی۔ ہرچند یہ مجلس نجی سی تھی بایں ہمہ یہ تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ احباب کو کرسیاں چھوڑ کر نیچے چارپائیوں پہ بیٹھنا پڑا۔ احباب جانتے ہیں کہ یہ محفل اپنی قسم کی آپ ہی ہوتی ہے۔ اس کا تذکرہ تو شوق کے لئے تازیانہ ہوتا ہے لیکن تلخیص تقریباً ناممکن ہے۔ خوش قسمت ہیں اراکین کراچی کہ اُن کے نمائندہ اس مجلس کو ٹیپ کر کے لے گئے ہیں۔ بہرحال باہر سے آنے والے حضرات پوری طرح سے مطمئن ہوکر گئے۔ پرویز صاحب جس وقت بول رہے تھے محفل میں کوئی اونچا سانس تک نہ لے رہا تھا۔ مبادا کسی بات سے محروم رہ جائے۔

درس

۱۳ر جون کی صبح ۹ بجے درس کا پروگرام تھا۔ گذشتہ شب مجلسِ استفسارات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ۔ اس وقت جبکہ ہندوستان کی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر گھیرا کئے ہوئے ہیں قرآنِ حکیم کی رو سے مسلمانانِ پاکستان پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہی سوال اس درس کا موضوع بن گیا۔ اور محترم پرویز صاحب نے اس سوال کا جواب پوری شرح و بسط سے دیا۔ انہوں نے حاضرین پر واضح کردیا کہ جب کبھی ایسا موقع آیا کہ پاکستان کی بقا خطرہ میں پڑ گئی تو ہر مسلمان پر جہاد فرض ہوگا۔ اور اس کے لئے مال اور جان کی قربانی واجب ہو جائے گی۔ پاکستان کی حفاظت دراصل اسلام کی حفاظت ہے۔ کیونکہ اگر پاکستان ہے تو ہماری یہ اُمیدیں بھی قائم ہیں کہ کبھی نہ کبھی یہاں قرآنی نظامِ ربوبیت کا قیام ہو سکے گا۔ لیکن اگر خدانخواستہ یہ خطۂ زمین ہی ہمارے پاس نہ رہا تو یہ خواب پریشان ہو کر رہ جائے گا۔ پاکستان کی مثال زمین کے ایک ایسے ٹکڑے کی سی ہے جسے کسی نے مسجد بنانے کے لئے حاصل کیا ہو۔ مسجد بننے میں اگر دیر ہو رہی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ کسی کو اس زمین پر قبضہ کر لینے کی اجازت دے دی جائے۔ وہ مقام جو مسجد کے لئے مختص کر دیا گیا ہے مسجد ہی تصور ہوگا اور مسجد کی حفاظت بہرحال ہمارا فرض ہے۔ اگر یہ جگہ نہ رہی تو مسجد کا تصور ہی ختم ہو جائے گا۔ اس جہاد میں حصہ لینے والے تبریک و تہنیت کے حقدار ہوں گے۔ اور اگر وہ قتل ہو گئے تو شہید ہوں گے۔

چوتھا اجلاس

۱۳ر جون کی صبح ساڑھے گیارہ بجے سب کنونشن کا اختتامی اجلاس زیرِ صدارت محترم قدیر احمد خاں صاحب منعقد ہوا۔

۱۔ وہ تمام قراردادیں جو اراکین کی تجاویز سے مرتب کی گئی تھیں یکے بعد دیگرے اتفاقِ رائے سے پاس ہوئیں۔

۲ - صاحب صدر کی اجازت سے :-

و - محترم حسن عباس صاحب رضوی نے فرمایا :-

"ہمارے ان اجتماعات کا مقصد قرآنی حقائق کی نشر و اشاعت کے علاوہ قرآنی نظام ربوبیت کے خد و خال کو واضح کرنا ہوتا ہے یہی نظام جب ہماری زندگی میں جاری ساری ہو جائے گا تو نظام صلوٰۃ کا جیتا جاگتا نقشہ سامنے آ جائے گا۔ کوئی معاشرہ جب اپنی تکمیل کی طرف بڑھتا ہے تو اس میں بسنے والوں کو لاتعداد تجرباتی مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ ہمیں بھی ان مراحل سے گذرنا پڑے گا لیکن ہمارے سامنے نصب العین اور اس تک پہنچنے کے لئے صراط المستقیم موجود ہے جو غیر قرآنی معاشرہ قائم کرنے والوں کے پاس نہیں۔ اگر ہم رفیق اعلیٰ کے ساتھ مل کر زندگی کی ارتقائی منازل طے کریں گے تو ان تمام مصائب و تکالیف سے بچ جائیں گے جن سے غیر قرآنی معاشرہ والوں کو گذرنا ناگزیر ہوتا ہے۔

برادران عزیز! بزم کوئٹہ آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں رکھتی۔ آپ کی آمد سے ہم کوئٹہ میں زیادہ بہتر طریقے سے متعارف ہو گئے ہیں۔ ہم شرمسار ہیں کہ ہماری بہت سی تمنائیں تشنۂ تکمیل رہ گئیں لیکن ایسے مواقع اور بھی آئیں گے ہماری وہ آرزوئیں جو تشنہ رہ گئی ہیں انہیں ہم مستقبل میں پوری کریں گے۔ برادران گرامی قدر! اگر وہ معاشرہ جس کے لئے ہم کوشاں ہیں ایک صدی کے بعد بھی قائم ہو گیا تو یقین رکھئے کہ یہ ہمارے لئے ایک بہت بڑا انعام ہوگا۔

آپ تکلیف اٹھا کر یہاں تشریف لائے لیکن آپ نے یہاں آکر جو کام کیا ہے وہ ہے بھی آپ کی تکالیف کے شایاں۔ دل نہیں چاہتا کہ ہم آپ کو رخصت کریں۔ لیکن [illegible] کیونکہ [illegible] ہو کر پھیل جانا اور دائرہ کار کو اور زیادہ وسیع کر دینا بھی خدا کے دیئے ہوئے پروگرام کا ایک حصہ ہے آپ کے آنے سے اس گلستان میں جو رونق آگئی تھی اس کو آپ اپنے ساتھ لے جائیں گے اور ہم آپ کو اکثر یاد کیا کریں گے۔

محترم عزیز احمد قریشی صاحب نے فرمایا :-

محترم پرویز صاحب کہا کرتے ہیں کہ ہم تعمیر کی بنیاد کی وہ اینٹیں ہیں جو زمین کے نیچے دب کر اپنا تشخص کھو دیتی ہیں عمارت کو باہر سے دیکھنے والے کا خیال بھی ان کی طرف نہیں جاتا۔ لیکن پوری عمارت کا قیام انہیں کی مضبوطی، یکساخت اور باہم پیوستگی پر ہوتا ہے۔ بزم کوئٹہ نامساعد حالات میں سب کنونشن منعقد کرنے پر قابل صد مبارک باد ہے۔"

صدر محترم جناب نذیر احمد خاں صاحب نے فرمایا۔

میرے عزیز بھائیو! اس چھوٹے سے گھر میں ہم نے مہینوں تصورات میں آپ کے لئے نشستیں بنائی ہیں

اگر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ آپ کے لئے ہم نے کن کن تمناؤں کو پروان چڑھایا تھا تو آپ انہیں محض جذبات کہکر مسکرا دیں گے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم آپ کے لئے وہ کچھ نہ کرسکے جو ہم نے سوچ رکھا تھا۔ زندگی کے نشیب و فراز تو بڑی بات نہیں ہمیں یقین ہے کہ آپ گھبرا نہیں گے۔ اور اس وقت ہماری راہوں میں اتنے کانٹے نہیں ہونگے۔ آپ نے اگر ہمیں زندگی کی حرارت دی ہے نئے ولولے اور نئے عزائم بخشے ہیں۔ اجتماعات تو اکثر ہوتے رہتے ہیں لیکن ان میں روح نہیں ہوتی ہماری کنونشنوں کی طرح بہت سے قالب یک جان ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے اور یہ سب صدقہ ہے اُس کتاب مقدس کا جو اعفاءِ تاریکیوں میں ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ قابل صد مبارکباد ہے وہ سرزمین جس نے اقبالؒ اور پرویز کو جنم دیا۔ جنہوں نے قرآن حکیم پر پڑے ہوئے دبیز پردے اُٹھا دئے۔ جب میں نے طلوع اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر کا دامن پکڑا تھا ہم گنتی کے چند افراد تھے۔ آج ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں جو کم مائیگی یا عدم فرصت کے باعث تشریف نہیں لاسکے۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں

یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

اس کے بعد پرویز صاحب کے درد و غم سے بھرے ہوئے الوداعی کلمات کے ساتھ مجلس برخاست ہوگئی

۲۳ جون کو بعد دوپہر کھانے سے فارغ ہو کر مہمان پک نک پر جانے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ ٹھیک ۳ بجے بس آگئی احباب اُس میں سوار ہوئے اور راستے میں ٹھہرتے ٹھہراتے کوئی سوا چار بجے اُرک (URAK) پہنچ گئے۔ اُرک کوئٹہ سے کوئی چودہ میل دور ایک سرسبز و شاداب قطع زمین ہے جہاں انار سیب اور انگور کے باغیچوں میں چشموں کا ٹھنڈا ٹھنڈا صاف و شفاف پانی ایک ماہر فنکار کی طرح جلترنگ بجاتا ہوا بہتا چلا جاتا ہے چاروں طرف خشک پہاڑوں کی دیواریں کھڑی ہیں۔ یہ پہاڑ اگرچہ خشک دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کے سینوں میں فطرت نے انمول خزانے چھپا رکھے ہیں۔ اس کے بعد یہ قافلہ ہنہ جھیل کی طرف روانہ ہوا۔

ہنہ جھیل پانی کی کمی کی وجہ اتنی حسین نہیں معلوم ہو رہی تھی جتنی کہ ابتداً سے بہار میں ہوتی ہے لیکن اس کے گرد و نواح میں پھیلا ہوا خوبصورت منظر بہرحال اہل نظر کو دعوت نظارہ دیتا ہے۔ یہاں انسانی ہاتھوں کی کاریگری نے منظر میں اور بھی دلکشی پیدا کر دی ہے۔ سامنے حد نگاہ تک ایک دوسری سے بغلگیر پہاڑیوں کا سلسلہ چلا جاتا ہے اور ایک سرے پر تالاب۔ بادہ دریاں اور نو دمیدہ پودے راحت قلب و نگاہ ہوتے ہیں۔ دائیں ہاتھ ایک پہاڑی کو اس طرح سنوارا گیا ہے کہ اگر پانی کافی ہو تو ایک جزیرہ نظر آتی ہے اور کم ہو جاتے تو بھی تین حصے پانی میں ڈوبے رہتے ہیں اور وہ جزیرہ نما بن جاتی ہے۔ اس نیر دعطر بیز ہوا میں احباب

جہاں جہاں بیٹھے ہوئے تھے وہاں سامنے پھیلی ہوئی کتابِ فطرت کے ساتھ ساتھ کتابِ مقدس کا مطالعہ بھی جاری تھا۔ شام ساڑھے سات بجے جب آفتاب مغربی کہساروں کی طرف جھکا۔ رلا تھا لیس والے نے ہارن بجانا شروع کیا اور احباب بادلِ ناخواستہ کشاں کشاں واپس آنے لگے اور اس طرح سوا آٹھ بجے شام سب واپس اپنے مرکز پر پہنچ گئے۔

واپسی ۱۴ جون کی صبح احباب کی واپسی کا پروگرام تھا۔ میل پونے چار بجے روانہ ہونا تھی اس لئے احباب کوئٹہ کے بازاروں کی سیر کرنے چلے گئے۔ دو بجے بعد دوپہر مرکز پہنچے اور وہاں سے سٹیشن کی طرف روانہ ہونے لگے۔ محترم پرویز صاحب کو ہوائی جہاز پر جانا تھا۔ لیکن ہوائی جہاز کے لیٹ ہو جانے کی وجہ سے سب احباب کو سٹیشن پر جا کر گاڑی سے رخصت ہونے والے عزیز بھائیوں کو وداع کرنے کا موقع مل گیا۔ رخصت ہونے والے اور رخصت کرنے والے ایک ہی کشتی میں سوار تھے۔ سب کی آنکھیں شدتِ تاثر سے بھری آ رہی تھیں۔ لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹیں بکھری ہوئی تھیں۔ گاڑی نے روانگی کا وسل دیا اور آہستہ آہستہ سرکنے لگی۔ کوئٹہ کے احباب محسوس کرنے لگے کہ گاڑی کا سارا بوجھ ان کے دلوں پر پڑتا جا رہا ہے۔ چند ہی سیکنڈ کے بعد سٹیشن پر رخصت کرنے والے اکیلے کھڑے رہ گئے۔ اور پھر وہ افتاں و خیزاں مرکز کی طرف چل دیئے کیونکہ ابھی ایک اور صبر آزما مرحلہ طے کرنا باقی تھا۔

ٹھیک چار بجے کاروں میں بذریعہ ہوائی جہاز جانے والا قافلہ اور اس کے ساتھ رخصت کرنے والے ہوائی اڈہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہوائی اڈہ پر پہنچے تو طیارہ کے آنے میں ابھی آدھ گھنٹہ باقی تھا۔ احباب ویٹنگ روم میں بیٹھ کر تھوڑی دیر کے لئے جدائی کا تصور دل سے نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ جو تھوڑی دیر بعد ہو جانا مقدر ہو چکا تھا۔ محترم پرویز صاحب توجہ ہٹانے کیلئے اپنے مخصوص انداز میں مسکرا مسکرا کر شعر سنا رہے تھے۔ اسی اثناء میں ہوائی جہاز آ گیا لیکن کسی نے اس طرف توجہ بھی نہ دی پھر جب اناؤنسر نے اچانک پکارا کہ طیارہ روانہ ہونے کو تیار ہے تو سب جلدی جلدی باہر نکلے۔ ایک مدت سے جو طوفان دل کی گہرائیوں میں کروٹیں لے رہا تھا۔ آنکھوں کے راستے بہہ نکلا۔ شدتِ تاثر سے گلے رندھ گئے اور ہمارے دیکھتے دیکھتے پرویز صاحب معہ اپنے رفقاء کے طیارہ پر سوار ہو گئے۔ طیارہ اپنی پوری رفتار سے فضا میں پر تولنے لگا۔ اور رخصت کرنے والوں کے دلوں سے آواز اٹھی۔

لیکن ہوا کے دوش پر سوار ساتھیوں نے بارش کے گذرنے کا انتظار نہ کیا اور اپنے مرکز کی طرف لوٹ گئے اور کوئٹہ کے احباب یہ کہتے ہوئے واپس آ گئے کہ

شرکائے کنونشن کے اسمائے گرامی

کوئٹہ

۱۔ محترم قدیر احمد خان صاحب
۲۔ محترم حسن عباس نقوی صاحب
۳۔ " عبدالغفور محسن صاحب
۴۔ " ولی اللہ صاحب
۵۔ " محمد اقبال صاحب
۶۔ " محمد فاروق صاحب
۷۔ " ملک محمد اصغر صاحب
۸۔ " اصغر علی صاحب
۹۔ " محمد اشفاق صاحب
۱۰۔ " فضل محمد صاحب
۱۱۔ " ابن ایم نیازی صاحب
۱۲۔ " مسعود حسن صاحب
۱۳۔ " حسان احمد بیگ صاحب
۱۴۔ " سبحان خاں صاحب
۱۵۔ " نبی بخش بگٹی صاحب

کراچی

۱۔ محترم محمد اسلام صاحب
۲۔ " محمد احمد کرد صاحب
۳۔ " خواجہ محمد طفیل صاحب
۴۔ " عبدالرحمن بابن عبادی صاحب
۵۔ " عبدالقادر صاحب
۶۔ " نذر محمد بھٹی صاحب
۷۔ " محمد اکبر صاحب
۸۔ " محمد شاکر بھٹی صاحب
۹۔ " بہادر شاہ مسلم صاحب
۱۰۔ " عبدالقیوم صاحب
۱۱۔ " شیخ رحمت اللہ صاحب
۱۲۔ " سلطان محمد چاند صاحب
۱۳۔ " حاجی سلیمان صاحب
۱۴۔ " عزیزم وقار نجم بھٹی صاحب

لاہور

۱۔ محترم پرویز صاحب
۲۔ " محمد خلیل مرزا صاحب
۳۔ " عبدالحق صاحب
۴۔ " قمر بٹ صاحب
۵۔ " مظفر حیات مفتی صاحب
۶۔ " شیخ عبدالحمید صاحب
۷۔ " محمد جمیل صاحب
۸۔ " میر محمد اسحاق صاحب
۹۔ " محمد خالد صاحب
۱۰۔ " امجد مصطفےٰ صاحب
۱۱۔ " چوہدری حبیب اللہ صاحب
۱۲۔ " خواجہ محمد حسین صاحب
۱۳۔ " شیخ سراج الحق صاحب
۱۴۔ " محمد رشید صاحب

لائلپور

۱۔ محترم ملک شریف صاحب
۲۔ محترم چوہدری محمد یوسف صاحب
۳۔ محترم ماسٹر عبدالعزیز صاحب

سرگودھا

۱۔ محترم چوہدری محمد رشید صاحب

سیالکوٹ

۱۔ محترم محمد منشا بٹ صاحب

راولپنڈی

۱۔ محترم عزیز احمد قریشی صاحب

چک ۱۔ شمالی

۱۔ محترم نصر اللہ خاں صاحب

روہڑی

۱۔ محترم نور محمد انور صاحب
۲۔ " عزیز یحییٰ سلیم صاحب

قراردادیں

طلوع اسلام سب کنونشن (کوئٹہ) میں منظور شدہ قراردادیں

(تمام قراردادیں اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھیں۔)

قرارداد ۱

یہ اجلاس جناب محترم حسن عباس رضوی کے برادر حقیقی کی وفات حسرت آیات پر جو حال ہی میں واقع ہوئی اور جس سے نہ صرف محترم موصوف، بلکہ ان کے جملہ احباب اور بزم ہائے طلوع اسلام کے اراکین کو بے حد رنج و صدمہ پہنچا ہے، اس پر دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے، اللہ تعالے سے دست بدعا ہے کہ وہ محترم رضوی صاحب کو اس جانکاہ صدمہ کی برداشت کی قوت عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

(محرک) شیخ سراج الحق صاحب لاہور

قرارداد نمبر ۲

(ا) مجوزہ قرآنی کالج کے لئے سرسید مرحوم کی طرح (بزم سے باہر) چندہ وصول کرنے کی مہم جلد از جلد شروع کر دی جائے اور یہ چندہ بزم کا ہر رکن جمع کرے۔

(ب) نیز آنکہ۔ ایجوکیشن سوسائٹی سے درخواست کی جائے کہ وہ عارضی رسیدات چھاپ کر نمائندگان بزم کو بھیجے۔ رسید کے تین حصے ہوں۔ ایک معطیؔ کو دیا جائے دوسرا سوسائٹی کو بھیجا جائے اور تیسرا بزم کے ریکارڈ میں رہے۔ سوسائٹی کی طرف سے ایک پوسٹ کارڈ بھی مہیا کیا جائے جو عارضی رسید کے ساتھ معطی کو دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ وہ کارڈ میں رقم کا اندراج کرکے اپنے دستخط ثبت کرنے کے بعد سوسائٹی کو بھیج دے۔ تاکہ سوسائٹی پکی رسید جاری کردے۔ سوسائٹی ایک بزم کے احاطے کی تمام رسیدات اس بزم کے نمائندہ کو بھیج دے اور نمائندہ مذکورہ وہ رسیدات معطیان تک پہنچوا دے۔

(محرک) شیخ سراج الحق

قرارداد نمبر ۳

ا۔ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے درس قرآن بذریعہ ٹیپ ریکارڈ مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اس وقت اکثر بزموں کے ہاں یہ سلسلہ جاری ہے لیکن بعض بزمیں ایسی ہیں جن میں ریکارڈر خریدنے کی استطاعت نہیں۔ مناسب ہے کہ جو بزمیں زیادہ استطاعت رکھتی ہیں وہ اپنی طرف سے ٹیپ ریکارڈر خرید کر ایسی بزموں کو دیدیں۔ اس امر کا فیصلہ کہ ریکارڈر کس بزم کو دیا جائے، ایک کمیٹی کریگی جس کی تشکیل آئندہ کنونشن میں عمل میں لائی جائے گی۔

۲۔ اس اپیل کے جواب میں بزم کراچی اور بزم لاہور نے وعدہ کیا کہ وہ کنونشن تک ایک ایک ٹیپ ریکارڈر اس مقصد کے لئے مہیا کرے گی۔ یہ سب کنونشن ان ہر دو بزموں کا اس عطیہ کے لئے شکریہ ادا کرتی ہے۔

(ب) یہ طے پایا کہ جن جن بزموں کے پاس ٹیپ ریکارڈر ہو۔ وہ ان ٹیپ ریکارڈروں (اور تمام ٹیپوں) کی ملکیت قانونی طور پر ادارۂ طلوع اسلام کے نام منتقل کر دیں تاکہ انہیں ادارہ حسب ضرورت جسے چاہے انہیں استعمال کرنے کی ہدایت جاری کر سکے۔ آئندہ جو بزم بھی ٹیپ ریکارڈر خریدے وہ اسے ادارہ طلوع اسلام کے نام سے خریدے اور متعلقہ کاغذات ادارہ کے پاس بھیجدے۔ اس طرح تمام موجودہ اور آئندہ ٹیپ ریکارڈروں کا مالک ادارہ قرار پائے گا نہ کہ کوئی بزم یا فرد۔

(محرک: محمد اسلام۔ کراچی۔)

قرارداد نمبر ۴

کسی اسمبلی سیشن کے موقع پر یا کسی خاص مسئلہ کے پیش آجانے کی صورت میں ادارہ رسالہ طلوع اسلام میں ضروری مواد کی اشاعت کیا کریگا۔ اور بزموں کا یہ کام ہوگا کہ وہ اپنے علاقہ کے ایم۔ پی۔ اے، ایم۔ این۔ اے اور بی ڈی ممبروں سے ذاتی طور پر مل کر ان کو وہ مواد اپنے دوسرے لٹریچر کے ساتھ بہم پہنچایا کریں اور تبادلہ خیالات کے ذریعے انہیں ان مسائل کے متعلق قرآنی زاویہ نگاہ سے مطلع کیا کریں۔

(محرک: محمد اسلام۔ کراچی)

قرارداد نمبر ۵

کنونشن میں پاس شدہ تجاویز، ادارہ کی طرف سے رسالہ طلوع اسلام میں شائع کی جائیں اور اس

پر حیثی کی رسید گی پر نمائندگان بزم، اپنی اپنی بزم کے ہر رکن کو وہ ذہن نشین کرائیں۔ اور اپنی ہر محفل میں انہیں پیش نظر رکھ کر اپنا محاسبہ کریں کہ کہاں تک ان تجاویز پر عمل کیا گیا ہے۔ اور آئندہ کنونشن میں اس کی رپورٹ پیش کریں۔

(محرک، عزیز احمد قریشی (راولپنڈی))

قرارداد نمبر ۶

بزم کے ہر رکن کے لئے لازمی قرار دیا جائے کہ یا تو وہ رسالہ طلوع اسلام کا سالانہ خریدار براہ راست بنے اور یا پھر ہر ماہ اپنی بزم کی معرفت طلوع اسلام خریدے۔ نیز یہ کوشش کرے کہ رسالہ کے لئے اشتہارات مہیا کئے جائیں۔ نمائندگان اس کی بابت آئندہ کنونشن میں رپورٹ پیش کریں۔

(محرک، محمد اسلام کراچی)

قرارداد نمبر ۷

ادارہ سے گذارش کی جائے کہ کلام مجید کے جو شروع کے درس ریکارڈ نہیں ہو سکے ان کے لئے محترم پرویز صاحب سے درخواست کی جائے کہ وہ وقت نکال کر ان کو دوبارہ ٹیپ کرائیں تاکہ وہ بھی محفوظ کئے جا سکیں۔

(محرک، احمد مصطفیٰ۔ لاہور)

قرارداد نمبر ۸

اجلاس ہذا، باہر سے آنیوالے تمام احباب کا جنہوں نے موسم گرما کی سختیوں، سفر کی صعوبتوں اور ذرائع کی دقتوں کے باوجود، دور دراز کی اس منزل پر پہنچنے کی کوشش کی۔ اور سب کنونشن کو کامیاب بنانے کی سعادت میں حصہ لینا ضروری سمجھا۔ بصمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہے۔ (محرک، تدبیر احمد خاں کوئٹہ)

قرارداد نمبر ۹

بزم طلوع اسلام کوئٹہ کے اراکین نے جس محبت، محنت اور خوش اسلوبی سے، ایسے ناسازگار ماحول میں اس سب کنونشن کو منعقد کیا ہے۔ اور اس ضمن جو قربانی کی مثال پیش کی ہے۔ یہ اجلاس اُسے تحسین و تشکر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جملہ اراکین بزم کوئٹہ کا اس مبارک کوشش کے لئے تہ دل سے شکر گذار ہے۔ خصوصاً محترم حسن عباس رضوی صاحب کا جنہوں نے مہمانوں کے آرام کیلئے اپنی آسائشوں کو تیاگ دیا۔ اور اپنی قیامگاہ تک اس مقصد کے لئے وقف کر دی۔ (محرک، عزیز احمد قریشی (راولپنڈی))

کالج فنڈ!

کالج فنڈ جمع کرنے کے سلسلہ میں ضروری تجاویز طے پائی ہیں جنہیں درج ذیل کیا جاتا ہے۔

(۱) جو حضرات اپنی طرف سے عطیہ دینا چاہیں وہ اپنی رقم بذریعہ منی آرڈر یا چیک، راقم الحروف کے نام بھیجدیں۔ چیک ”قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی (رجسٹرڈ)“ کے نام کا ہونا چاہیئے۔ ان رقوم کی رسیدیں سوسائٹی کی طرف سے فرداً فرداً بھیجی جائیں گی۔

(۲) جو حضرات، اپنے حلقہ کے دیگر احباب سے چندہ جمع کرنا چاہیں وہ مطلع فرمائیں۔ انہیں ضروری لٹریچر اور رسید بک، ان کے حلقہ سے متعلق بزم طلوع اسلام کی معرفت بھیجدیئے جائیں گے۔

چندہ جمع کرنے والے صاحب معطی کو سوسائٹی کی طرف سے جاری کردہ عارضی رسید دیں گے اور اس کے ساتھ ہی ایک مطبوعہ کارڈ جسے معطی براہ راست سوسائٹی کو بھیج دیں گے۔ اس کارڈ کے موصول ہونے پر سوسائٹی کی طرف سے انہیں پختہ رسید بھیجی جائے گی۔ اگر یہ رسید انہیں ایک ماہ کے اندر نہ ملے، وہ سوسائٹی کو مطلع فرمائیں۔

(۳) بزم ہائے طلوع اسلام کو ضروری لٹریچر اور رسید بکس الگ بھیجی گئی ہیں۔ بزمہائے طلوع اسلام کنونشن سے پہلے پہلے، اپنے حلقہ میں فراہمی چندہ کے لئے پوری پوری کوشش کریں۔

(۴) کالج سے متعلق ایک خوبصورت کتابچہ شائع کیا گیا ہے جو خواہشمند حضرات کو خط ملنے پر تحفتہً بھیجا جائیگا۔

(۵) کالج کی اسکیم ہمارے دور کی انقلابی تحریک ہے۔ ہمیں امید ہے کہ دین اور ملت کا ہر بہی خواہ اس میں ہم سے تعاون کرے گا۔ والسلام۔

(مرزا) محمد خلیل

خازن۔ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی۔

۲۵/ بی۔ گلبرگ (سنٹر)

لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سپاسنامہ

(منجانب بزمِ طلوعِ اسلام کوئٹہ پیش فرمودہ محترم حسن عباس رضوی صاحب)

نقیبانِ قافلۂ قرآنی!

آپ پر خدائے عظیم کی ہزار رحمتیں ہوں۔ آپ کو خوش آمدید کہنے کے لئے ہمارے پاس نہ تو الفاظ ہیں اور نہ ہی زبان۔ جذبات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا تلاطم، اشتیاق آپکی بلائیں لینے کو دل کی اتھاہ گہرائیوں میں وقفِ بے قراری و اضطراب ہے۔ جذبات جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو الفاظ ان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اقبال شاید اسی مقام پر تھے جب انہوں نے کہا تھا

خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری

سچ تو یہ ہے کہ جس دن کوئٹہ سب کنونشن کا فیصلہ ہوا تھا اس دن سے آج کے دن تک ہم نے یہ دن جس بے قراری سے گذارے ہیں اس کے کیف سے کچھ ہمیں واقف ہیں۔ یہ بے قراری شاید اس جنتی معاشرے کی اس ہلکی سی جھلک کے لئے تھی جس کے لئے ہم آپ دست بدعا رہتے ہیں۔ برادران عزیز! ذرا تصور کیجئے کہ وہ کیفیت جو ہم پر کنونشن کے دوران گذرتی ہے اگر دائمی ہو جائے تو کیا ہو۔

آج کا دن بزمِ طلوعِ اسلام کوئٹہ کی دنیائے تگ و تاز میں سنگ میل کی حیثیت سے یاد کیا جائے گا۔ ہم اس دور افتادہ پس ماندہ اور سنگلاخ سرزمین میں جس پودے کی آبیاری کر رہے ہیں آپکی آمد اس کے لئے بادِ بہاری کی آمد ہے۔ خدا نے چاہا تو وہ پھولے پھلے گا۔ اور یہ سب کچھ آپکے جذبۂ ایمانی کی بدولت ہو گا۔ آپ جو اتنی دور قرآن حکیم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تشریف لائے ہیں یقین رکھئے کہ

یہ سرسبز وادی اور یہ آب رنگیں پہاڑوں کی سرزمین آپکو مایوس نہیں کرے گی۔
آپ کی تحریک کا مقصد نہ حصول اقتدار ہے اور نہ ہی اس میں کوئی سیاسی ضرورت کارفرما ہے ہمارا مقصد تو صرف اس آئین خداوندی کا نفاذ ہے جو بنی نوع انسان کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ملا تھا۔ اور آج ۔ چودہ سو برس بعد بھی قرآن حکیم کی دفتین میں محفوظ ہے۔ ہمیں ملک آئین وقانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے انسانی ذہن کو بذریعہ نشرو اشاعت اس نظام کے لئے تیار کرنا ہے جس کی نشان دہی قرآن حکیم نے کر دی ہے۔ جب تک اللہ کا دیا ہوا نظام اس دنیا میں رائج نہیں ہو جاتا انسان حقیقی معنوں میں آزاد نہیں ہو سکتا اور انسانیت اغلال وسلاسل سے نجات نہیں پا سکتی۔
انسان کی اس آزادی کی جدوجہد میں کسی فرعون۔ ہامان۔ قارون یا سامری سے تائید کی امید رکھنا خوش فہمی ہے۔ یہ سفینہ مور ناتواں تاریکیوں کے بحر زخار میں چلے گا لیکن صرف زور دروں سے۔ اور یہ زور دروں آپ کو اور صرف آپکو دعوت جرأت آزمائی دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جب قرآن پیش کیا جاتا تھا تو بھی فرعون صفت، ہامان ذہنیت اور قارون نما لوگ کانوں میں انگلیاں دے لیتے اور دوسروں سے کہا کرتے تھے کہ

لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ
اس قرآن کو مت سنو

انہیں تلقین کیا کرتے تھے کہ

وَالْغَوْا فِيْهِ
شور مچاؤ کہ اسے دوسرے بھی نہ سن سکیں
لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (۴۱/۲۶)
شاید اس طرح تم قرآن والوں پر غالب آ سکو

اس قبیل کے لوگ آج بھی موجود ہیں اقبال کو انہی لوگوں سے واسطہ پڑا تھا جب اس نے کہا تھا کہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ایسے لوگ بڑے بڑے اہل جبہ و عمامہ حضرات کی دوکان فتاوی فروشی سے فتوے بھی خرید لیتے ہیں۔ کہ شاید اسی طرح یہ کاروان عشق و مستی ہمت توڑ کر بیٹھ جائے لیکن اسوۂ رسول صلعم گواہ ہے کہ اس ہنگامہ آرائی کے باوجود کاروان چلتا رہتا ہے۔ آپ بے فکر بڑھتے چلیں۔ ہم اکیلے نہیں ہیں۔

خدا ہمارے ساتھ ہے۔

رہے ہیں اور ہیں فرعون تیری گھات میں ابتک
مگر کیا غم کہ تیری آستیں میں ہے ید بیضا

برادران عزیز! یہ سوائے فضل خداوندی کے اور کیا ہے کہ ہمیں اور ہمارے دور کو محترم پرویز صاحب ایسا مفکر قرآن عطا کر دیا گیا ہے۔ جب ہم اس کام کو دیکھتے ہیں جو پرویز صاحب نے کیا ہے تو ہمارے رونگٹے رونگٹے سے تحسین و آفرین اور تبریک و تہنیت کے چشمے اُبل پڑتے ہیں۔ انہوں نے انسانیت کے لئے حقائق مہیا کر دیئے ہیں۔ شمع قرآنی سے انکو روشنی دکھائی اور وہ اس روشنی کے سہارے انسانیت کو تاریکی کی [illegible] سے نکال لے گئے ہیں۔ انہوں نے مایوس و قنوطیت زدہ نوجوان کی جہان نو کی طرف نشان دہی کی ہے۔ انہوں نے آدمی کو انسان ہونے کی امید دلا دی ہے اور اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے جہاں اس پیکر صدق و اخلاص کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پہ آجاتا ہے کہ

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

عزیزان من! لوگ ہنگامہ پرور شخصیتوں کے مجسمے کھڑے کرتے ہیں۔ اخبارات ہفتہ اور مہینہ کی شخصیتوں کی تصویریں شائع کرتے ہیں۔ کاش وہ دیکھیں کہ انسانیت کا محسن پرویز اس صدی کی بہترین شخصیتوں میں سے ہے لیکن نہ اسے مجسموں کی احتیاج ہے نہ تصاویر شائع کرانے کی ہوس۔ وہ ان ہنگاموں اور تماشوں سے بے نیاز اپنے مقصد کے حصول کے لئے خاموش مصروف جد و جہد ہے۔

یہ ہماری خوش قسمتی (یا شاید بدقسمتی) ہے کہ پرویز صاحب ہم میں پیدا ہوئے اور ہم اس قوم سے متعلق ہیں جس میں جب کوئی مرد راہداں پیدا ہوتا ہے تو وہ آنکھ بند کر لیتی ہے۔ اور جب وہ رہنما آنکھ بند کر لیتا ہے۔ تو یہ آنکھیں کھول کر اسے ڈھونڈتی ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ آنکھیں کھول کر بھی یہ قوم یا تو اس رہنما کے الفاظ پر وجد و رقص میں مصروف ہو جاتی ہے اور یا پھر ماتم کرتی ہے اور بس۔ تاہم، ہم میں سے ہر ایک یہ ایمان رکھتا ہے کہ پرویز صاحب نے جو شمع جلائی ہے اس سے دیئے جلتے رہیں گے ہمیشہ جلتے رہیں گے، اور پھر ایک دن دنیا اپنے پیدا کرنے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ یہ ٹوٹا ہوا تارہ ایک دن مہ کامل بن جائے گا اور اس کی ضو فشانیوں سے بھولے بھٹکے راہی نشان منزل پا لیا کریں گے۔

برادران عزیز! ایم۔ اے میں میں نے جو (THESIS) لکھا اس کا عنوان تھا۔

CREATER AND THE CREATED

اس (THESIS) پر میرے پروفیسروں نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میں کائنات اور خالقِ کائنات کی حقیقت نہ سمجھ سکا۔ لیکن جونہی میری رسائی فکرِ پرویزؒ تک ہوئی میری تمام الجھنیں ایک ایک کرکے دور ہوگئیں۔ یہ ایک اہم اور الجھا ہوا مسئلہ تھا جس کو پرویز صاحب نے بصیرتِ قرآنی سے بالکل صاف کر دیا اور تمام حقیقت نکھر کر سامنے آگئی۔ بقول اقبالؒ

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا

میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

برادرانِ عزیز! اس میں شبہ نہیں کہ ہماری اس قرآنی آواز کی سخت مخالفت ہو رہی ہے۔ لیکن ہمیں اس سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنے پروگرام کی تکمیل کی خاطر منزل کی طرف رواں دواں بڑھتے چلے جانا ہے ایسے لوگ راستے میں آجائیں تو ان کو لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دینا چاہئے کہ

میری منزل تیری منزل سے آگے ہے کئی منزل

پرے ہٹ۔ اور دامن چھوڑ لے دنیائے دوں میرا

برادرانِ عزیز! اب میں کوئٹہ بزم کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کوئٹہ میں آپکی بزم عددی اعتبار سے تو بہت مختصر ہے۔ مگر جتنے بھی اراکین ہیں اُن میں خلوص و ایثار کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اگر خلوص و ایثار کو آپ دولت سمجھتے ہیں تو پھر ہمیں اپنے دولت مند ہونے سے ہرگز انکار نہیں لیکن دولت اگر اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو پھر میرے بھائیو! ہم غریب ہیں۔ ہم پاکستان کے اس دورافتادہ حصے میں طلوعِ اسلام کی آواز کو بھی متاعِ بے بہا سمجھتے تھے چہ جائیکہ ہم یہاں سب کنونشن کے انعقاد کا تصور کرتے۔ اگر کبھی ہوش و خرد سے چوری چھپے ہم یہ تصور کر بھی بیٹھتے تو ہزار قسم کی تنگ دامانیاں دامن گیر ہو جاتیں۔ کیسے ہو۔ کیونکر ہو۔ کہاں ہو۔ دل تو سفر پہ آمادہ ہو جاتا لیکن کوئی شجرِ سایہ دار دکھائی نہ دیتا۔ ارادوں اور حوصلوں کے تار و پود بکھر کر رہ جاتے اور ناکامی کے تصور پہ دل مسوس کر بیٹھ جاتے کہ نہیں یہ بوجھ ہمارے ضعیف کندھوں کے بس کی بات نہیں۔ لیکن برادرانِ عزیز ایسے مواقع پر جرأتِ رندانہ اور ایک ہوئے دیوانہ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اتفاقاً ہم سے سرزد ہوگئی اور اس کے بعد۔ اس کے بعد کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ سوائے اس کے ہم آپ کو اور پرویز صاحب کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ بس وہ ہی تمام چلے ہوں گے کہ منزل آگئی۔ شجرہائے سایہ دار ہمیں للچائی نگاہوں سے دیکھتے رہ گئے اور ہم نے منزل کو جا لیا۔ اب ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ منزل اگر متعین طور پر سامنے ہو تو اس کی طرف اٹھنے والا ہر قدم خستگی و درماندگی کی بجائے یہ مسرت افزا پیغام دیتا ہے کہ اگلے قدم کے بعد فاصلہ دو قدم اور کم ہو جائے گا۔

اس کنونشن کے انعقاد کے لئے کرسیوں، چارپائیوں، میزوں اور برتنوں کی ضرورت تھی۔ جب ہم نے ان اشیاء کی فراہمی کے لئے اخراجات کا تخمینہ لگایا تو یہ خرچ تقریباً سوا چار سو روپیہ نقد۔ باقی اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ اس تخمینہ کو دیکھنے کے بعد جب ہم نے اپنے کیسہ پر نگاہ ڈالی تو وہ تابہ دامن تارتار نظر آیا۔ معاً ہمیں خیال ہوا کہ جب تحریک کا سب سے اہم پہلو باہمی تعاون و اشتراک ہی ہے تو کیوں نہ یہاں بھی یہی نسخہ آزمایا جائے۔ جب اراکین کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا تو سب نے اس پر لبیک کہی۔ اور نتیجہ ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر برآمد ہوا۔ اس کنونشن میں شامیانوں کے علاوہ جتنی بھی چیزیں آپ کو نظر آئیں گی۔ یہ سب اراکین بزم کی ہیں۔ یہ نہیں کہ یہ چیزیں گھروں میں فالتو تھیں بلکہ سب استعمال کی ہیں۔ اراکین نے اپنے بچوں کو زمین پر سلا دیا ہے اور چارپائیاں بزم کے حوالے کر کے سنت صدیقیؓ پر عمل کیا ہے۔ خدا ان کو جزائے خیر دے۔ برادران عزیز! یہ تجربہ اپنی نوعیت کا آپ ہی ہے۔ انشاء اللہ اس سے ایک عظیم مثال قائم ہوگی۔

ہمارے عزیز بھائیو اور بزرگو۔ اگر آپ کو کسی قسم کی تکلیف پیش آئے تو آپ ہماری تنگ دامانی اور کم مائیگی پر محمول کر کے بھول جایئے گا۔ خدا آپکو جزائے خیر دیگا۔ والسلام

ہم ہیں آپ کے شیدائی اور رفیق
نمائندۂ اراکین بزم طلوع اسلام کوئٹہ
10-6-65

سلسبیل

پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مضامین کا تازہ مجموعہ
اپنی نوعیت کی واحد کتاب
قیمت اعلیٰ ایڈیشن ——— آٹھ روپے
یہ کتاب چیپ ایڈیشن میں شائع نہیں کی گئی

طاہرہ بیٹی کے نام

[طلوع اسلام بابت اپریل ۱۹۶۵ء میں ایک طاہرہ بیٹی کا خط شائع ہوا تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ ہمارے ہاں لڑکیوں کے لئے مناسب رشتہ کا ملنا کس قدر مشکل ہوگیا ہے۔ اس کے جواب میں لندن سے ایک طاہرہ بہن کا خط موصول ہوا ہے جسے درج ذیل کیا جاتا ہے۔ طلوع اسلام]

عزیزہ طاہرہ بیٹی !

دعوات۔ اس بار طلوع اسلام میں تمہارا خط پڑھا۔ میری دلی ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ان حالات سے گذرنے کی ہمت عطا کرے۔ آمین۔ مگر ایک بات واضح کر دینا چاہتی ہوں۔ کہ موجودہ قرآنی فکر جتنا غیر ملکوں میں واضح ہو کر سمجھ میں آتا ہے پاکستان میں نہیں۔ یہاں پہ عام زندگی میں اس قدر متضاد زندہ مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن سے قرآن کریم کی آیات واضح اور کھلی ہوئی نظر آتی ہیں۔

عزیزہ من ! ایک عدد "مالک" کی دستیاب ہو جانا کسی مشکل کا حل نہیں۔ یہاں پہ پندرہ سولہ سال کی لڑکی خود اپنا "مالک" ڈھونڈنے نکل پڑتی ہے۔ خوب پرکھ کر "مالک" ڈھونڈتی ہے۔ اس کے لئے یہ کام قطعی مشکل نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایک عدد "مالک" ڈھونڈ لینے سے وہ معاشرہ درست کر سکی۔ یا وہ کسی مشکل کو حل کر سکی۔ بلکہ اس نے غلط معاشرے میں کئی افراد کا اضافہ کر دیا۔ ایسی متعدد ہستیوں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔ جنہوں نے شادی کی ہی نہیں۔ منگیتر ہے۔ جو کف افسوس ملیں۔ وہ زندگی کی ہر مشکل کا تن تنہا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ موسم کی سختی۔ تکلیف۔ بیماری ضعیف العمری کبھی اُن کے چہرے پہ افسردگی آنے نہیں دیتی۔ مسلمان کے لئے کف افسوس ملنا یا افسردہ محسوس کرنا جائز ہی نہیں۔ اس کی تو زندگی ہی مسلسل جہاد ہے۔ قرآن میں جہاں نکاح کا ذکر آیا ہے۔ (سورہ النساء کی ۲۵ آیت) وہاں یہ بھی بتایا ہے۔ کہ اگر شادی کے وسائل میسر نہ ہوں۔ تو صبر سے کام لو۔ مفہوم القرآن کریم میں اس آیت کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ آیت قرآن کریم میں ہمیشہ سے تھی۔ تمہاری طرح میں بھی مسلمان گھرانے کی پروردہ ہونے کا فخر رکھتی ہوں۔ مگر یہ آیت میں نے کسی سے سنی ہی نہیں۔

اگر شادی کے بغیر زندہ رہنا ممکن ہی نہ تھا۔ تو یہ آیت اتری ہی نہ۔ میری ایک عزیزہ نے شادی کرنے سے انکار کیا۔ اُن دنوں "مالکوں" کا دستیاب ہونا مشکل نہ تھا۔ اس غریب کو بارہا مجبور کیا گیا۔ بہترے رشتہ کے آنے پر مجبور کیا جاتا۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑی رہی۔ بہت سے ہمدرد عزیزہ اقارب سمجھتے۔ کہ اگر شادی نہ کردگی تو بخشش نہ ہوگی۔ مگر اس نے کسی کی نہ سنی۔ نہ ہی اُسے زندگی بھر قطعی افسوس محسوس ہوا۔ عزیزہ بیٹی! تم تو ماشاء اللہ اس قدر ذہین ہو۔ تم والدین پر کیا بوجھ بنی ہو۔ تم تو اس قابل ہو کہ قتنوں کا بوجھ اٹھا سکو۔ یہاں پر اکثر لوگ دیکھنے میں آتے ہیں جو جیتی بچوں کو پال لیتے ہیں۔ اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں۔ جو حقیقی اولاد کو بلا جرم و خطا اسقدر مارتے ہیں۔ کہ وہ جانبر نہیں ہو پاتے۔ اسلام کی تعلیم ہے۔ کہ تمام نوعِ انسانیت ایک کنبہ ہے۔ نہ معلوم پاکستان میں کتنے بچے ہیں۔ جو توجہ کے محتاج ہیں۔ غیر ممالک ان کے لئے خوراک بھیجتے ہیں۔ وہ بھی انہیں مل نہیں پاتی۔ ہمیں دیکھنا ہے۔ کہ ہماری ضرورت کیا ہے۔ معاشرہ کو درست کرنے کا کام زیادہ اہم ہے۔ ہم اپنی پوری توجہ۔ توانائی اور ممکن ذرائع اس طرف منتقل کردیں۔ ایک ایک، دو دو، قدم لیتے ہوئے ہم منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ عزیزہ من! تمہیں اپنے قریب کئی بہنیں نظر آئیں گی جنہیں مالک بھی میسر ہیں۔ مگر وہ ان کی راہ میں رکاوٹ بن کر رہ گئے ہیں۔ بچوں کی تربیت اور صحیح قرآنی خطوط پر نشوونما کے لئے ماحول کا سازگار ہونا بڑا ضروری ہے۔ بچوں پر ہی موقوف نہیں۔ انسان کی اپنی ذات کی نشوونما بھی شادی کے بعد مکمل نہیں ہو جاتی۔ اُسے بھی مسلسل جاری رکھنا پڑتا ہے۔ ایسے غلط معاشرہ میں تو مالک کا مل جانا محض (آپکے والدین جیسے) ایک اور مایوس والدین کا اضافہ کر دینا ہوگا۔ جس طرح کہ کسی باغ کی سرزمین میں کوئی بیماری ہے۔ جو پودوں کو پوری طرح بڑھنے پھولنے نہیں دیتی۔ مالی بجائے اس کے کہ پودوں کی پیداوار کو ذرا روک کر پہلے اپنی پوری توجہ اس کی زمین کو درست کرنے میں صرف کرے، پودے پر پودا لگاتا جائے۔ اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یوں تو اسلام کے مطابق ان مغربی ممالک کا ماحول بھی غلط ہے۔ مگر ان لوگوں نے تجرباتی طریق سے طول و طویل راستے پر چل کر پھر بھی خود کو کسی حد تک ضبط میں رکھا ہوا ہے۔ ایک اور بات واضح کرنا چاہتی ہوں۔ کہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہم قرآنی خطوط پر ایک معاشرہ قائم کر سکیں۔ مگر قرآن کریم میں جہاں پر نکاح کا ذکر ہے واضح بتایا ہے۔ کہ تم ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں۔ اور جو تمہارے نکاح میں آنا چاہیں۔ نکاح کرلو۔ عائلی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے غور طلب احکام عطا کئے ہیں۔ کیونکہ ان پر آنے والی نسلوں کی تمام زندگی کا انحصار ہے۔ نکاح کے معاملہ میں اسی لئے طرفین کی رضا جوئی بڑی اہم ہے۔ کسی پر جبر نہیں۔ اب اگر ایک شخص کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے اور نکاح بھی کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ لڑکی پسند نہیں کرتی۔ یا اس کا الٹ ہے نہیں۔ تو صحیح معاشرہ بھی لاچار ہو کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ ہر فرد کو اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں اپنی پسند کی اجازت دی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے صحیح معاشرہ

بھی شاید اس معاملے میں مدد نہ کرسکے۔ محترم پرویز صاحب اپنے قرآنی فکر سے بہتر وضاحت فرما سکتے ہیں۔ بچوں کی تربیت کی ذمہ داری وہی ذہن سمجھ سکتا ہے جسے قرآنی فکر پر پورا عبور حاصل ہو۔ یہ معصوم روحیں جو ہماری گود میں سپرد کی گئی ہیں ان کی تربیت کا نتیجہ ہمیں اس دنیا میں بھی ملے گا۔ اور آخرت میں بھی ہم جوابدہ ہوں گے۔ یہ ہماری گود میں اللہ تعالےٰ کی امانت ہیں۔ ہمارے اپنے ہی نہیں تمام نوع انسانیت کے بچے سلیم بیٹوں اور طاہرہ بیٹیوں کے اس مشفق باپ کی زندہ مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان کی ہر کوشش ہر سلیم بیٹے اور طاہرہ بیٹی کے لئے ہے۔ مگر افسوس ہے موجودہ مسلمان کی حالت پر کہ ایک مرد مومن انہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہا ہے۔ مگر وہ بھنگ کے نشے میں مدہوش شخص کی طرح اپنی ہی الاپے جارہا ہے

عزیزہ! کف افسوس ملنا ایک مسلم کو زیبا نہیں۔ اپنی کمی کو پورا کرنا چاہیئے۔ مگر اسے پورا کرنے سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جس سے صحیح ہدایت اور مکمل قوت اس پر عمل کرنے کے لئے مل سکتی ہے۔ آخر میں اتنا اور کہے دیتی ہوں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

گو یہ منزل بہت دور ہے، مگر انسانوں کے ہاتھوں لاچار ہونا انتہائی ذلت ہے۔

دعاگو

(ایک طاہرہ بہن)

کراچی میں ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات

کراچی میں ادارہ طلوع اسلام کی شائع کردہ کتب محترم پرویز صاحب کی مطبوعات اور تحریک کا لٹریچر حسب ذیل پتہ سے مل سکے گا۔

محمد اسلام صاحب نمائندہ بزم طلوع اسلام ۴۰۰ ، لوئس روڈ نیو ٹاؤن۔ کراچی

علاوہ بریں ہر اتوار کی صبح کو سندھ اسمبلی ہال (بندر روڈ) کراچی میں پرویز صاحب کے درس قرآن کے موقع پر بھی تحریک کا لٹریچر اور ضروری مطبوعات حسب ضرورت مہیا کی جاتی ہیں۔

چند تجاویز

راولپنڈی کے محترم ماسٹر عبدالعزیز صاحب کے دو خطوط شائع کئے جاتے ہیں جن کے جواب کی ضرورت نہیں۔

بقول علامہ اقبال رح

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر * ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

جہادِ تعلیم موجودہ تعلیم کو یہ سسٹم ہے۔ مروجہ تعلیم صرف امیر طبقہ ہی حاصل کر سکتا ہے۔ اور وہی طبقہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ غریب اور مفلس طبقہ کی اولاد ایسی صورت میں علم کی دولت لازوال سے محروم ہے۔ موجودہ شکل میں غریب طبقہ بڑھتے ہوئے اخراجات برداشت کرنیکی اپنے میں تاب نہیں رکھتا۔ زمانہ کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے تعلیم عام اور لازمی ہونی چاہیئے۔ اور زیادہ نہیں تو کم از کم میٹرک تک تعلیم مفت ہونی چاہیئے۔ تاکہ انسانی بچوں کی تمام صلاحیتیں نشوونما پا سکیں جو ترقی دور کے تقاضوں کو سمجھ کر ارتقائی منازل طے کر کے ملک اور قوم کی ضرورت کو پورا کر کے خدمات انجام دے سکیں موجودہ تعلیم کا نصاب بھی زمانہ کے بڑھتے ہوئے تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں ضرورتوں کو مدِنظر رکھ کر بروسعت تبدیلی کی ضرورت ہے۔ انسانی بچوں کی فطرتی صلاحیتوں کو نشوونما دلانے کے لئے تعلیمی نصاب متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسی تبدیلیاں کرنے کیلئے علی قسم کے جہاد کی ضرورت ہے۔ یہ جہاد معمولی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ بڑے مدبرانہ اور دلیرانہ انداز کا طلبگار ہے۔ جس شخص کے ہاتھوں یہ جہاد سرانجام ہوگا۔ اس کا نام انسانی تاریخ میں ہزاروں سال تک آئندہ نسلوں میں لکھا چلا جائے گا۔ اور ایسے مجاہد کا نام مجاہد اول ہوگا اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہر انسانی بچے کی عمدہ تعلیم کے آئینی تقاضوں کی صلاحیتیں دماغ میں مدفون رہ جاتی ہیں۔ ان کو نشوونما پانے کا موقعہ نہیں ملتا۔ جو مجاہد تعلیم کا جہاد کرے گا۔ وہی آئینی ایجاد کا موجد بھی ہوگا۔

جہادِ انقلاب بی۔ ڈی سسٹم: بنیادی جمہوریت۔ نیک اور پاک تخیلات کا ثمر ہے۔ یہ سسٹم خود تو بنیادی ہے۔

لیکن اس نے اپنے اولین بنیادی فرض کو نظرانداز کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پی۔ ڈی سسٹم کی بنیادیں لوگوں کے دلوں میں مستحکم نہیں ہو سکیں۔ یہ پہلا کام تھا۔ جو متروک ہو گیا ہے۔ بہترین جمہوریت کا راز بھی اسی میں مضمر ہے جب ہر فرد مملکت کو ضروریات زندگی میسر ہوں۔ تو اسی راہ پر انسانیت آگے بڑھ سکتی ہے۔ اور صراط مستقیم پہ چلنے کے قابل ہو سکتی ہے۔ پی۔ ڈی۔ ڈائریکٹر جنرل کا کام تھا کہ اولین فرصت میں یونین اور لوگوں کا سروے کرتے اور اس کے بعد ہر یونین کے اندر بیت المال قائم کیا جاتا جس میں زکوٰۃ۔ خیرات۔ عطیات اور قربانی کی کھالیں ہی نہیں۔ نقد و جنس جمع کئے جاتے اور پھر ضرورت مند لوگوں کی ضروریات زندگی مہیا کرنے کا۔ نظام مہیا منتظم کیا جاتا۔ یعنی روٹی۔ کپڑا۔ مکان اور علاج معالجہ اور جب یہ تعلیم ملا کر انسان کے بنیادی حقوق کی تکمیل کی جاتی اور قدامت پرستی کے نقصانات اور فوائد بار بار سمجھائے جاتے تاکہ کوئی بھی فرد مملکت اپنی کارآمد صلاحیتیں یوں ہی محفوظ رکھ کر نہ مر جائے بلکہ اپنی اچھی صلاحیتوں کی قوت سے قوم اور ملک کی خدمت کر کے اثر چھوڑ جائے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلعم نے اسلامی معاشرہ قائم کیا اور صحابہ کرامؓ کے حوالہ کیا اور جس کو انسانی آنکھ نے ایک بار دیکھا تھا۔ اب پھر ویسا ہی نظام زندگی دیکھنے کی متمنی ہے۔ یہ کام بڑا مشکل ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی طرح دلیرانہ طور پر انجام ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی امداد بھی شامل حال ہو گی۔

انگلستان کے احباب کی سہولت کیلئے

بزم طلوع اسلام بریڈفورڈ (انگلستان) نے ادارہ طلوع اسلام کی وساطت سے اپنے ہاں ماہنامہ طلوع اسلام اور ادارہ طلوع اسلام کے دیگر لٹریچر کا انتظام کیا ہے۔ بزم مذکور پرویز صاحب کا درس قرآن بذریعہ ٹیپ سنانے کا بھی اہتمام کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں (طلوع اسلام کی خریداری سے متعلق بالخصوص) انگلستان کے احباب براہ راست بزم طلوع اسلام کے نمائندہ سے حسب ذیل ایڈریس پر رابطہ قائم کریں۔

رشید احمد سیٹھ ۔ ۱۶۰ ۔ سالٹ سٹریٹ ۔ مینگھم

بریڈفورڈ 8 یارکشائر

(انگلینڈ)

نقد و نظر

اجماع اور باب اجتہاد

فروری ۱۹۵۳ء میں، محترم کمال فاروقی صاحب نے فقہ حنفی کے متعلق چند سوالات مرتب کرکے مختلف علماء کے پاس بغرض جواب بھیجے۔ سوالات کا ملخص یہ تھا کہ اسلام میں قانون سازی کا اصول کیا ہے اور آیا فقہ حنفی کے فیصلے قابل تنسیخ یا رد و بدل ہیں یا نہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے ان سوالات کے جو جوابات دیئے، مستفسر نے انہیں، اپنی تنقید و تبصرہ کے ساتھ ۱۹۵۵ء میں انگریزی میں شائع کیا۔ اب اس کتاب کا ترجمہ محترم مظہر الدین صدیقی نے کیا ہے اور وہ مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں۔

فاروقی صاحب کے سوالات بڑے سنجیدہ اور مفتی صاحب کے جوابات پر ان کا تبصرہ اور تنقید بڑی شستہ اور متین ہے۔ مفتی صاحب کے جوابات کا ملخص یہ ہے کہ فقہا کے اجماع کو خدا نے سہو و خطا سے محفوظ قرار دیا ہے اس لئے ان کے فیصلے ہمیشہ کے لئے واجب العمل اور ناقابل تغیر و تبدل ہیں۔ یہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر ہماری فقہ کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔ فاروقی صاحب نے اس عقیدہ کو محل نظر قرار دے کر اس پر عمدہ بحث کی ہے اور اس کی کمزوری کو واضح کیا ہے۔

۱۔ اگر ہم قرآن کریم سے راہ نمائی حاصل کریں تو اسلام میں قانون سازی کے اصول کے متعلق کوئی الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ یہ واضح ہے کہ

(۱) قرآن کریم میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ احکام ہوں یا اصول۔ وہ سب غیر متبدل اور ہمیشہ کیلئے واجب الاطاعت ہیں۔

(۲) قرآن کریم نے رسول اللہ کو بھی مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ اور امت کے متعلق بھی کہا کہ ان کے معاملات

باہمی مشورہ سے طے ہونگے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ مشاورت قرآنی احکام کو نافذ کرنے کے طور و طریق سے متعلق ہوگی۔ اور بعض اصولوں کی جزئیات قرآن نے خود متعین نہیں کیں۔ ان کی جزئیات متعین کرنے کیلئے بھی۔

(۳) جو معاملات انسانی مشورہ سے طے پائیں، وہ ابدی طور پر غیر متبدل نہیں رہ سکتے۔ حالات کی تبدیلی سے ان میں باہمی مشورہ سے ہمیشہ رد و بدل ہوسکتا ہے۔ حتیٰ کہ جن لوگوں کے مشورہ سے پہلے ایک فیصلہ ہوا ہو، اگر حالات کا تقاضا ہو، تو وہی لوگ اپنے سابقہ فیصلہ میں بھی تبدیلی کرسکتے ہیں۔ قرآن کے احکام و اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے اور باہمی مشاورت سے طے شدہ امور قابل تغیر و تبدل۔

(۴) یہ مجلس مشاورت امت کے منتخب کردہ ایسے افراد پر مشتمل ہوگی جن میں ان امور کو سمجھنے اور ان کے متعلق فیصلہ کرنے کی اہلیت اور صلاحیت ہوگی۔ یہ انتظام اسلامی مملکت کی طرف سے ہوگا۔ اور اس مجلس کے فیصلے، مملکت کی طرف سے قوانین کی حیثیت سے نافذ ہونگے جن کا اطلاق تمام مسلمانوں پر یکساں ہوگا۔

محترم فاروقی صاحب نے بھی یہی کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک اس عالم کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو اسلام کی تعبیر و تاویل کا جو کام تفویض کیا ہے اس کی انجام دہی کے لئے ایک قانون ساز جماعت کا وجود ضروری ہے جس کی حیثیت جہاں تک اسلام کی تعبیر و تاویل کا تعلق ہے ایک مقتدر جماعت کی ہوگی .... یہ جماعت ایسے امانت دار اشخاص پر مشتمل ہو جنہیں باضابطہ طور پر اور مخصوص طریقے سے امت مسلمہ کے افراد نے منتخب کیا ہو ......
>
> (صفحہ 36-57)۔

فاروقی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ

اختلاف امتی رحمۃ کی حدیث نے جو بلند پایہ تصور پیدا کیا ہے ..... (صفحہ 3)

ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ "اختلاف امتی رحمۃ" حدیث نہیں ہے۔

بچوں کا صفحہ

وعدہ پورا کرو

سلیم نے دوپہر کو کچھ دیر آرام کرنے کے بعد غسل خانے کا رخ کیا۔ نہایا دھویا صاف کپڑے پہنے، آج شام کی چائے پر اس کے ایک دوست کلیم نے اس کے ہاں آنے کا وعدہ کر رکھا تھا اس لئے سلیم کو اپنے دوست کے آنے کے خیال سے بہت خوشی ہو رہی تھی اور وہ بہت سی باتیں اس کے ساتھ کرنے کو دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ اس نے اپنی امی سے کہہ کر چائے پر تین چار چیزیں کھانے کے لئے منگوائیں۔ ملازم سے چائے کی میز تیار کروائی۔ مٹھائی اور پھل میز پر سجا دیئے۔ چائے کا پانی تیار رکھنے کو ملازم سے کہہ دیا اور خود برآمدے میں بڑے اشتیاق کے ساتھ اپنے دوست کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ اس نے کلائی پر گھڑی باندھ رکھی تھی۔ کلیم نے پانچ بجے آنے کو کہا تھا۔ بس پانچ منٹ باقی تھے۔ سلیم ایک نظر گھڑی پر ڈالتا تو دوسری نظر اس کی سامنے سڑک پر جاتی کہ اب کلیم آیا کہ آیا۔ پانچ منٹ کی بات ہی کیا۔ گذر گئے مگر ابھی کلیم نہیں پہنچا تھا۔ خیر دو تین منٹ تو اوپر ہو ہی جایا کرتے ہیں؛ سلیم نے سوچا اور نظریں سامنے ڈالے کرسی پر بیٹھا رہا۔ مگر پانچ منٹ اور گذر گئے۔ گھڑی کی سوئی اپنی رفتار سے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اب سلیم کو کچھ بے چینی سی ہونے لگی۔ وہ کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ کلیم کیوں نہیں آیا۔ اسے اب تک آ جانا چاہیئے تھا۔ اس نے پانچ

بجے پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔ خیر ابھی آجائیگا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ کوئی وجہ ہوگئی ہوگی جو یہ دیر ہوئی۔ سلیم اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے اپنے دل کو بہلانے لگا۔ پھر اس نے ملازم کو آواز دی۔ وہ آیا تو اسے کہا کہ وہ چائے بنا کر ٹی کوزی دے کر میز پر رکھ دے۔ پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔ کلیم کے پہنچتے ہی پہلے چائے سے فارغ ہوجائیں گے۔ چائے بنا کر میز پر رکھ دی گئی۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ اب سلیم گھر کے پھاٹک کے پاس جا پہنچا۔ شاید دور سڑک سے کلیم آتا ہوا نظر آجائے مگر کلیم کا تو کہیں دور تک کوئی پتہ نہ تھا۔ بے چارہ مایوس ہوکر پھر لوٹ آیا۔ انتظار کی حالت بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ انتظار کرتے ہوئے کسی کل چین نہیں پڑتا۔ سلیم نے اندر باہر کئی پھیرے کر ڈالے۔ وقت گزرتا گیا اور پانچ سے چھ بج گئے۔ چائے ٹھنڈی ہوگئی۔ سلیم نے کتنے شوق سے کھانے پینے کی یہ سب چیزیں منگوائی تھیں۔ خیال تھا کہ دونوں اکٹھے مل کر مزے لے لے کر کھائیں گے۔ بہت لطف آئے گا۔ جب دو دوست مل کر چائے پئیں تو ظاہر ہے اکیلے پینے کی نسبت لطف

دو چند ہو جاتا ہے۔ مگر کلیم نے تو حد ہی کر دی۔ سب کچھ غارت ہوگیا۔ اب سلیم کو غصہ آگیا تھا۔ اچھا دوست ہے۔ وعدہ کیا اور پورا نہ کیا۔ میں نے اتنے شوق سے چائے کا انتظام کیا۔ اس کا برابر انتظار کیا۔ خود ایک جگہ سات بجے ضروری کام تھا مگر نہ جاسکا۔ کلیم نہ تو خود آیا نہ ہی کوئی اطلاع بھجوائی کہ میں فلاں وجہ سے نہیں آسکوں گا۔ سلیم اسی طرح بڑبڑاتا بے دلی کے ساتھ آخر اکیلے ہی چائے پینے بیٹھ گیا۔ اِدھر اس کی امی کو بھی پتہ چل گیا کہ سلیم کا دوست نہیں آیا۔ وہ اس کے پاس آگئیں اور پوچھنے لگیں کہ آیا کلیم نے اپنے نہ آسکنے کی کوئی اطلاع بھجوائی ہے۔ سلیم خفگی کے ساتھ بولا۔ امی جان اطلاع کہاں! مجھے کلیم پر بہت غصہ آرہا ہے۔ اس نے سکول میں مجھ سے پکا وعدہ کیا کہ میں ضرور آؤں گا اور اب نہیں آیا۔ میں اب کبھی اس کے وعدے پر اعتبار نہ کروں گا۔ امی بولیں۔ بیٹا یہ تو ٹھیک ہے کہ کلیم نے وعدہ شکنی کرکے بُری بات کی ہے۔ اسے لازم تھا کہ اگر اس کے یہاں آنے میں کوئی رکاوٹ

پڑ گئی تھی تو تمہیں اس کی اطلاع ضرور دیتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وعدے کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں۔ یا اس کو یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ وعدہ پورا کرنا کس قدر ضروری ہوتا ہے۔ دور کیسا؟ امی جان۔ سلیم بولا۔ اب جب میری اس سے ملاقات ہوگی تو اس چیز کا ذکر آئے گا۔ میری خفگی علیحدہ اس کی شرمندگی الگ۔ اور یہ دونوں تکلیفیں صرف اس لئے کہ اس نے وعدہ کر کے پورا نہ کیا۔ امی بولیں سلیم بیٹے اب تمہیں اس پہ خفا ہونے کی تو کوئی ضرورت نہیں۔ اب تو تمہارا فرض یہ ہے کہ اپنے دوست کو بڑی نرمی اور ہمدردی کے ساتھ بتاؤ کو کسی کیساتھ جب کوئی وعدہ کرو اس کو ہر حالت میں پورا کرو۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں بتایا ہے کہ وعدے کی پابندی کرو تمہارا دوست جب وعدے کی اہمیت کو جان جائے گا تو اُمید ہے کہ آئندہ اس سے کوئی کوتاہی نہ ہوگی۔ اور تم دونوں کی دوستی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ سلیم نے اپنی امی کی بات پہ دھیان دیتے ہوئے جواب دیا کہ اچھا امی جان میں یوں ہی کروں گا۔ کہ میں اپنے دوست کو وعدے کا پابند بنانے میں مدد دوں گا۔

(ثریا عندلیبا)

پرویز صاحب کا درسِ قرآن

ہر اتوار کی صبح کو ٹھیک آٹھ بجے ۲۵-بی گلبرگ میں شروع ہوتا ہے۔

(نمائندہ بزم طلوع اسلام - لاہور)

مفت مجرب دوا برائے دمہ۔ درد گردہ پتھری

ملنے کا پتہ:- حاجی محمد دین شیخ آتش فیکٹری منتصل گنیش کھوپرا ملز لارنس روڈ کراچی

نوٹ:- جوابی لفافہ ضرور آنا چاہیئے۔

مخالفین کا نیا حربہ

قارئین طلوع اسلام کی سہولت کے لئے گذشتہ چند ماہ سے ہم نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ ہر پرچے میں ایک مطبوعہ کارڈ چسپاں ہوتا ہے جس میں ادارہ کی تمام کتب کی فہرست اور ان کی قیمتیں مندرج ہوتی ہیں اور جس صاحب کو ان میں سے جو کتب منگانی ہوں وہ ان پر نشان لگا کر اور اپنا مکمل پتہ لکھ کر اسے بغیر ٹکٹ لگائے ڈاک کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کارڈ کے ادارہ میں پہنچنے پر یہ مطلوبہ کتب روانہ کر دی جاتی ہیں۔

لیکن ادارہ کو مالی نقصان پہنچانے کے لئے اس کے بعض مخالفین نے ایک نئی حرکت شروع کی ہے، کہ وہ اس مطبوعہ کارڈ پر یونہی نشان لگا کر اور کسی شخص کا پتہ لکھ کر اسے پوسٹ کر دیتے ہیں۔ کارڈ ملنے پر ادارہ اس ایڈریس کے مطابق مطلوبہ کتب بذریعہ وی۔ پی روانہ کر دیتا ہے اور جب وی۔ پی پہنچتی ہے تو وہ شخص خود حیران ہو جاتا ہے کہ اس کے علم اور مرضی کے خلاف یہ وی۔ پی اس کے نام کیوں پہنچ گیا۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وی پی واپس آجاتا ہے اور اس طرح ادارہ کو جو مالی نقصان پہنچتا ہے اس سے یہ مخالفین خوش ہو لیتے ہیں کہ وہ ادارہ کو نقصان پہنچانے اور پریشانی میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس پریشان کن صورت حال کا کوئی حل اس کے سوا نظر نہیں آتا کہ جو حضرات ادارہ سے کوئی کتب منگانا چاہیں ان سے یہ درخواست کی جائے کہ مطلوبہ کتب کی مجموعی قیمت کی کم از کم ایک چوتھائی رقم آرڈر کے ہمراہ پیشگی بھیجدیں۔ انہیں بقایا رقم میں مطلوبہ کتب کی وی۔ پی روانہ کر دی جائے گی۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ صورت بعض حضرات کے نزدیک ہمیشہ زحمت رساں سی ہو گی۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ وہ ہماری مجبوری کے پیش نظر اسے قبول فرمائیں گے کیونکہ اس الجھن کا کوئی اور حل سمجھ میں نہیں آتا۔ والسلام

ناظم ادارہ

طلوع اسلام